دار العلوم کراچی کا ترجمان

رجب المرجب ۱۴۰۷ھ مارچ ۱۹۸۷ء

بانی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

جلد ۲۱
رجب المرجب ۱۴۰۷ھ / مارچ ۱۹۸۷ء
شمارہ ۷

قیمت فی پرچہ پانچ روپے

سالانہ پچاس روپے

سالانہ بدل اشتراک :
ن ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری :

تہائے متحدہ امریکہ /۲۳۰ روپے برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ
انگ، نائیجریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ /۱۸۰ روپے سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت /۱۵۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ : ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی ۱۴
فون نمبر : ۳۱۱۳۱۷

محمد تقی عثمانی دارالعلوم کراچی
مشہور آفسٹ پریس، کراچی

ذکر و فکر

معارف و مسائل

مقالات و مضامین

نقد و تبصرہ

ذکر و فکر

فحاشی کا عذاب
"ایڈز"
ہماری تہذیب اپنے ہاتھوں آپ ہی خودکشی کریگی

حمد و ستائش اُس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اُس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

ایک حدیث میں نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

لم تظهر الفاحشة في قوم قط، حتى يعلنوا بها، إلا فشا فيهم الطاعون والأوجاع التي لم تكن مضت في أسلافهم الذين مضوا۔

جب کبھی کسی قوم میں فحاشی کا رواج بڑھتا ہے، یہاں تک کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کرنے لگتے ہیں تو ایسے لوگوں کے درمیان طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے گذرے ہوئے اسلاف کے زمانے میں موجود نہیں تھیں۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، حدیث نمبر ٤٠١٩، باب العقوبات)

آج دنیا میں نئی سے نئی بیماریاں سامنے آرہی ہیں، بہت سی بیماریاں تو ایسی ہیں، جنکا پہلے نہ کوئی تصور تھا، نہ اُن کا نام کہیں سُنا گیا تھا، اور بہت سی ایسی ہیں کہ پہلے کہیں اکا دکا کسی کو ہو جاتیں تو ایک انہونے عجوبے کی طرح ان کا شور مچ جاتا تھا لیکن آج وہ بستی بستی پھیل گئی ہیں، اور ان میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد روز افزوں ہے۔ ان تمام ہی بیماریوں کو مذکورہ بالا حدیث نبوی کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ دُنیا میں جس رفتار سے فحاشی بڑھ رہی ہے، اسی رفتار سے ان بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

لیکن حال ہی میں ۱۹۸۱ء کے بعد سے ایک خوفناک بیماری امریکہ وغیرہ میں ایسی پیدا ہوئی ہے جسے سوائے فحاشی کے عذابِ سماوی کے کسی اور عنوان سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ "ایڈز" کی وہ مہلک بیماری ہے جس کا چرچا آجکل اخبارات ورسائل میں بکثرت ہوتا رہتا ہے۔ یوں تو اس بیماری میں یکایک وزن گھٹتے جانا، بخار، دست وغیرہ کی علامات نمایاں ہوتی رہتی ہیں، دماغ بھی اس سے متاثر ہوتا ہے لیکن اس بیماری کی خوفناک ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مریض کے جسم سے ہر قسم کی قوتِ مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد خفیف سے خفیف بیماری کا بھی اس میں تحمل نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک معمولی سا عارضہ بھی جان لیوا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ اس بیماری میں مبتلا ہونے کو موت کا یقینی سمجھا جاتا ہے۔ اس بیماری کا کوئی علاج ابھی تک دریافت نہیں ہوا، اور اطباء اب تک کی تحقیق وجستجو سے جس نتیجے پر پہنچے ہیں، وہ یہ ہے کہ اس بیماری کا سب سے بڑا سبب رگ کے انجکشن کے ذریعے منشیات کا استعمال اور جنسی اختلاط کی کثرت ہے، اور یہ یا تو ہم جنسی (غیر فطری عمل) سے پیدا ہوتی ہے، یا ایسے مردوں کو لگتی ہے جو کسی امتیاز کے بغیر زیادہ عورتوں سے جنسی تعلق قائم رکھتے ہوں نیز ایسی عورتوں کو جو زیادہ مردوں سے جنسی تعلق استوار کرتی ہوں۔

جب سے امریکہ میں یہ بیماری پیدا ہوئی ہے، وہاں کے اخبارات ورسائل میں اس موضوع پر ایک کہرام مچا ہوا ہے، ان کے تقریباً ہر دوسرے تیسرے شمارے میں ایڈز کی خبریں، اس پر تبصرے اور اس سلسلے میں لوگوں کے تاثرات شائع ہوتے رہتے ہیں لیکن اس مرتبہ امریکی رسالہ "ٹائم" نے اپنی ۱۶ فروری کی اشاعت میں اس موضوع پر تین بہت مفصل مقالے شائع کئے ہیں اور ان کی اہمیت کے پیش نظر انہی میں سے ایک مقالے کے عنوان کو اپنے ٹائیٹل پر جلی الفاظ میں چھاپا ہے۔

عنوان یہ ہے:- "لرزہ خیز خطرہ

زیادہ مخلوط جنسی تعلقات رکھنے والے کس طرح ایڈز کے منہ میں جارہے ہیں؟"

ایک مضمون "ٹائم" کی ایک خاتون ایسوسی ایٹ ایڈیٹر مارتھا سملجس (MARTHA SMILGIS) نے لکھا ہے اور دوسرا ایک اور ایسوسی ایٹ اڈیٹر کلاڈیا والس کا لکھا ہوا ہے، ان دونوں نے یہ مضامین "ایڈز" اور اس کے اثرات کے ایک صحافیانہ سروے کے بعد لکھے ہیں تیسرا مضمون مکائیل ایس سیرل کا ہے جس نے افریقہ میں اس بیماری کی تباہ کاریوں کا جائزہ لیا ہے۔ ان مضامین میں دیئے ہوئے اعداد وشمار کے مطابق اس وقت امریکہ میں تیس ہزار سے زائد افراد ایڈز کے مرض میں مبتلا ہیں۔ اٹلانٹا کے طبی مرکز کے مطابق جو لوگ بلا امتیاز مختلف افراد سے جنسی تعلق قائم رکھتے ہیں، اُن میں اس بیماری کی بنا پر اموات کی شرح ۱۹۸۶ء کے مقابلے میں دوگنی ہوگئی ہے۔ لیکن اس بیماری کا تشویشناک پہلو یہ ہے کہ اس کا جرثومہ جسم میں داخل ہونے کے بعد ظاہری مرض کی شکل اختیار کرتے کرتے مختلف افراد میں مختلف مدتیں لے لیتا ہے۔ بعض ماہرین کے خیال کے مطابق یہ مدت دس سال تک وسیع ہو سکتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جس جنسی عمل کے ذریعے بیماری کا جرثومہ جسم میں داخل ہوا، ضروری نہیں کہ اس کے بعد جلد ہی اس کے اثرات بیماری کی شکل میں ظاہر ہو جائیں۔ بلکہ بعض اوقات یہ اثرات دس سال بعد بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے محکمۂ صحت کا اندازہ یہ ہے کہ اس وقت امریکہ میں دس لاکھ سے زیادہ افراد ایڈز کے جراثیم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں جن میں سے نوّے فی صد افراد کو اپنے بارے میں اس ہولناک حقیقت

کا علم بھی نہیں ہے۔

امریکہ کے علاوہ براعظم افریقہ میں بھی یہ بیماری تیزی سے پھیل رہی ہے اور افریقہ میں بیس لاکھ سے پچاس لاکھ تک کی تعداد ایڈز میں مبتلا ہو چکی ہے، امریکہ کے محکمہ "صحت و انسانی خدمات" کے سیکرٹری اولٹس بادن کا کہنا ہے کہ "اگر ہم بیماری کی روک تھام میں کوئی مؤثر پیش رفت نہ کر سکے تو آئندہ دس سال کے اندر دُنیا کے کروڑوں افراد کے لئے ایک عالمگیر پیغام موت کا خوفناک اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔" اور جان ہاپکنس یونیورسٹی کے ماہر و بائی امراض بی فرینک پاک نے کہا ہے کہ "بعض ملک اپنی آبادی کا ۲۵ فی صد حصہ اس وبائی مرض میں گنوا بیٹھیں گے۔"

ابھی تک اس بیماری کا کوئی علاج دریافت نہیں ہوا، بڑی کدوکاوش کے بعد جو چند دوائیں ایجاد ہوئی ہیں وہ صرف عارضی تدابیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن سے عوارض کی شدت میں وقتی افاقہ ہوتا ہے، لیکن مرض ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن میں سے بعض دوائیں کچھ اور پیچیدگیاں پیدا کر دیتی ہیں جن میں خون کی بیحد کمی اور غشی وغیرہ داخل ہیں بعض دواؤں کے استعمال کے دوران ہر ہفتے مریض کے جسم کا سارا خون تبدیل کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف یہ عارضی اور وقتی علاج بھی اس قدر مہنگا ہے کہ امریکہ میں ایڈز کے مریضوں کی دیکھ بھال پر آنے والے اخراجات کا تخمینہ دس کروڑ ڈالر سے زیادہ ہے اور اندازہ یہ ہے کہ یہ اخراجات ۱۹۹۱ء تک ایک ارب چار کروڑ ڈالر سالانہ تک پہنچ جائیں گے (ٹائم کا مذکورہ شمارہ صفحہ ۲۸، کالم ۳)

ایک اور تحقیق کے مطابق امریکہ میں ایڈز کے دس مریضوں کے علاج پر چار لاکھ پچاس ہزار ڈالر کا خرچ آیا۔ یہ رقم افریقی ملک زائر کے سب سے بڑے ہسپتال کے پورے سال کے بجٹ سے بھی زائد ہے (ص ۲۳ کالم ۲) اس طرح ایڈز کی بیماری میں مبتلا ملکوں کے لئے ایک معاشی چیلنج بھی بنتی جا رہی ہے۔

اس بیماری سے حفظ ماتقدم کا بھی کوئی یقینی طریقہ دریافت نہیں ہوا، امریکی محکمہ صحت کے مطابق:-

"ہر وہ شخص جو کسی نئے ساتھی کے ساتھ جنسی عمل میں مشغول ہو، یا کسی ایسے پرانے ساتھی کے ساتھ جس کا ماضی نامعلوم ہے، ایڈز کے خطرے کا شکار ہے" (ص ۲۵ کالم ۲)

امریکی معاشرے میں بلا امتیاز جنسی تعلقات کا جو گھناؤنا سیلاب امڈا ہے، اس کی بنا پر بسا اوقات شوہر اور بیوی کو بھی ایک دوسرے کا "جنسی ماضی" معلوم نہیں ہوتا، اس لئے یہ خطرہ گھر گھر پھیل رہا ہے اور جب تک دونوں رفیق زندگی مکمل طور پر اپنا ٹیسٹ نہ کرائیں، اس وقت تک ایک شادی شدہ جوڑا بھی۔ جو آئندہ بدکاری سے تائب ہو چکا ہو۔ اس خطرے سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اٹلانٹا کا طبی مرکز اس وقت ایڈز کے سدباب کے سلسلے میں سب سے زیادہ سرگرم ہے اور رسالہ ٹائم نے اپنے مضمون میں اس کی ایک ذمہ دار افسر کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ:-

"ہم اپنے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں کئے ہوئے گناہوں کی قیمت ادا کر رہے ہیں، جب حالت یہ تھی کہ ایک رات آتی تو کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر جنسی عمل کا ارتکاب ایک دلکش فیشن سمجھا جاتا تھا" (ص ۲۵ کالم ۲۴)

بعض لوگ اب اس نہج پر سوچنے لگے ہیں اور اس صورتحال کا دیرپا علاج اسی میں سمجھتے ہیں کہ بلا امتیاز جنسی تعلقات قائم کرکے فطرت کے ساتھ اس بغاوت کا سلسلہ اب ختم ہونا چاہیے۔

مارتھا سمالجس لکھتی ہے :-

"تاہم ہر سطح پر محکمۂ صحت کے افسران اُس بات کی وکالت کر رہے ہیں جو قریب قریب ایک سماجی انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے، امریکی محکمہ "صحت و انسانی خدمات" کے سیکرٹری اوٹس۔ آر باؤن کہتے ہیں کہ۔

"طریق زندگی میں تبدیلی لانے کی ناگزیر ضرورت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے"۔ ۱۹۸۰ء کے مابعد کے امریکہ کے لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ ربع صدی میں جو جنسی انقلاب آیا تھا، اُسے منسوخ کر دیا جائے۔ (ص ۲۵ کالم ۲)

جن لوگوں کو بے امتیاز جنسی اختلاط کے نتیجے میں اپنے اندر اس بیماری کا شبہ پیدا ہو گیا ہے، اب وہ ہر جنسی عمل سے انتہائی خوفزدہ ہیں۔ بعض افراد نے اپنے اندر ایڈز کی بیماری موجود ہونے کی خبر سنتے ہی اس کی اذیتوں کے خوف سے خودکشی کرلی ہے۔ اٹلانٹا کا طبی مرکز جو ایسے لوگوں کی پناہ گاہ بنا ہوا ہے، اسمیں صبح و شام ایسے لوگوں کے فون آتے رہتے ہیں۔ مرکز کی ڈائریکٹر میری فلیمنگ کہتی ہیں کہ "میں جنسی اختلاط رکھنے والی عورتوں میں شدید خوف کے اثرات دیکھتی ہوں۔ جو اب باقی ماندہ زندگی میں تجرّد اختیار کرنے کا فیصلہ کر رہی ہیں"۔ (ص ۲۵ کالم ۳)

لیکن امریکی معاشرے میں جنسی بے راہ روی جس بری طرح رچ بس گئی ہے اور وہ اس سلسلے میں جس مقام پر پہنچ چکا ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اصلاح حال کی کوشش کرنے والے اس بات سے تقریباً مایوسی کا اظہار کر رہے ہیں کہ معاشرے کے جنسی طرز عمل میں کوئی نمایاں تبدیلی آسکیگی، کیونکہ جن لوگوں کو ابھی اس وبا سے براہ راست واسطہ نہیں پڑا، وہ اپنے جنسی طرز عمل میں ادنیٰ تبدیلی لانے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں، بلکہ اس تصور کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، جس کی کئی مثالیں "ٹائم" کے زیر نظر مضامین میں دی گئی ہیں۔ لہٰذا محکمۂ صحت کی دوسری کوشش یہ ہے کہ کم از کم لوگ جنسی عمل کے دوران ایسی احتیاطی تدابیر اختیار کریں جو ایڈز کی روک تھام کرسکیں۔ ان احتیاطی تدابیر میں کنڈوم (مانع حمل غلاف) کا استعمال بھی شامل ہے چنانچہ "محفوظ جنسی عمل" (SAFE SEX) کے عنوان سے ان تدابیر کی تعلیم و تبلیغ ہر جگہ جاری ہے۔

لیکن ان تدابیر کی تعلیم و تبلیغ سے فحاشی میں کوئی کمی آنے کے بجائے اسمیں اضافہ ہو گیا ہے، کیونکہ مارتھا سمالجس کے الفاظ میں "اس طرح پریس میں اور ٹیلی ویژن پر انسان کی جسمانی حرکات اور کنڈوم جیسے جنسی تحفظات کے استعمال پر مفصل مذاکرے ہونے لگے ہیں اور ان کے نتیجے میں جنسی عمل کے طریقے عوام میں اتنے الم نشرح ہو کر پھیل گئے ہیں کہ ایک سال پہلے ان کے اس طرح گھر گھر پھیلنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا"۔ (ص ۲۵ کالم ۱)

اس کے باوجود جن لوگوں کو اس بیماری سے کوئی قریبی واسطہ نہیں پڑا، وہ ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہیں۔ جب انہیں ایڈز کے خطرات کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ "ہم تو ایسا کرتے ہیں ہمیں کچھ نہیں ہوگا"۔ حد یہ ہے کہ نیویارک کی کولمبیا یونیورسٹی میں "خدمات صحت" کے ڈائریکٹر نے طلباء اور طالبات کی سہولت کی خاطر "خدمات صحت" کی عمارت کے بیت الخلاؤں میں "کنڈوم" کی فراہمی کا انتظام کر دیا۔ نیز ۳۱ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ تقسیم کرایا جسمیں "محفوظ جنسی عمل" کے بارے میں معلومات اتنی وضاحت کے ساتھ درج تھیں کہ اس کے جو فقرے "ٹائم" کے مضمون میں نقل کئے گئے ہیں، انہیں نقل کرنے کی راقم الحروف کے قلم میں سکت نہیں ہے۔ کیلیفورنیا کی مشہور یونیورسٹی میں دو ہفتے قبل "ایڈز اور کالج کا احاطہ" کے موضوع پر ایک سمپوزیم کا اہتمام کیا گیا، جسمیں نوّے کالجوں کے ۴۲۵ نمائندوں نے شرکت کی۔ اس سمپوزیم کے دوران ایک فلم دکھائی گئی جس میں "محفوظ جنسی عمل" کا عملی مظاہرہ پیش کیا گیا تھا۔

لیکن طلباء ان خدمات سے فائدہ اٹھانے کیلئے تیار نہیں ہیں وہ مذکورہ کتابچے ردی کے ٹوکروں میں پھینک جاتے ہیں اور "کنڈوم" کو "بے آرامی کا ذریعہ" (INCONVENIENCE) قرار دیتے ہیں۔ ایک اکیس سالہ طالبعلم سے جب اس طرز عمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ "جذبات کے برانگیختہ ہونے کے بعد انسان ایسے مرحلے پر پہنچ جاتا ہے جہاں رکنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس وقت پانچ سال بعد کی بات نہیں سوچی جاسکتی۔ اس وقت تو صرف اسی وقت کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے" (ص ۲۶ کالم ۲ و ۳)

ایک ناول نگار خاتون ایریکا جونگ جو جنسی آزادی کی سرگرم پرچارک رہی ہے، واشنگٹن پوسٹ کے ایک کالم میں ان احتیاطی تدابیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہے: "اب یہ کام بہت مشکل ہے کہ کوئی دلکش تنہا مرد اس سے یہ تحقیق کئے بغیر حاصل کیا جاسکے کہ اس کے جنسی تعلقات اور منشیات کے استعمال کی تاریخ کیا رہی ہے؟ نیز اس کے خون کے معائنے کے نتائج بھی معلوم کرنے ہوں گے پھر اس کے ہاتھ میں کنڈوم بھی تھمانا ہوگا۔ کیا اس سارے جھنجھٹ کے مقابلے میں جنسی عمل سے بالکلیہ دستبردار ہوکر کسی مذہبی تنظیم میں شامل ہوجانا زیادہ آسان نہیں؟" (ص ۲۵ کالم ۱)

یہ ہیں وہ حالات جن میں صحت کی ایک معلّمہ میری شرمن کا کہنا ہے کہ "ہمارے اور کنڈوم کو قبول کرنے کے درمیان پوری ایک نسل کا فاصلہ ہے"۔

چنانچہ ساری کوششوں کے باوجود لاس اینجلز کے "ایڈز پروجیکٹ" کے ڈائریکٹر ڈاکٹر جرمن میلسونیٹ کا تخمینہ یہ ہے کہ "اوسطاً ہر پانچ سیکنڈ بعد ایک امریکی انتہائی خطرناک جنسی عمل میں مصروف ہوتا ہے"۔

امریکن کالج ہیلتھ ایسوسی ایشن نے ایک ٹاسک فورس ایڈز کے مقابلے کے لئے بنائی ہے اس کے چیئرمین ڈاکٹر رچرڈ کیلنگ نے تعلیمی جدوجہد کے نتائج سے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

"تعلیم صحت کے بارے میں ایک یاس انگیز نظریہ یہ ہے کہ جب تک مرنے والوں کی تعداد ہولناک حد تک نہ بڑھ جائے، ایڈز کا مرض معاشرے کے باقی ماندہ افراد کے لئے ذاتی مسئلہ نہیں بنے گا اور وہ سنجیدگی کے ساتھ اپنے طرز عمل میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں لائیں گے"۔ (ص ۲۷ کالم ۱)

یہ تھا "ٹائم" کے مذکورہ تین مضامین کے اہم حصّوں کا نہایت مختصر خلاصہ۔ اس خلاصے کے بعض حصّوں کو نقل کرتے وقت بھی آخر تک قلم جھجکتا ہی رہا اور انہیں اپنے قلم سے لکھنا کافی صبر آزما معلوم ہوا، لیکن اس خیال سے انہیں لکھدیا کہ امریکی تہذیب کے یہ حقائق ہماری قوم کے اُن لوگوں کے سامنے ضرور آنے چاہیں جو زندگی کے ہر شعبے میں مغرب کے پیچھے پیچھے چلنے کو اپنے لئے راہ نجات تصور کرتے ہیں۔

جو تازہ ترین حقائق وواقعات اوپر بیان کئے گئے ہیں، وہ کسی تبصرے کے محتاج نہیں۔ ان متعفن واقعات کا یہ سڑا ہوا ملغوبہ اس لائق نہیں تھا کہ کسی علمی یا دینی رسالے میں اسے نقل کیا جاتا، لیکن دل پر جبر کرکے یہ ناخوشگوار کام دو وجہ سے کیا گیا۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ سارے حالات جاننے کے بعد محسن انسانیت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی وابی وامّی) کا وہ ارشادِ گرامی ایک مرتبہ پھر پڑھئے جس سے ہم نے اس اداریے کا آغاز کیا تھا۔ کیا پھر بھی کسی کو قرآن کریم کے اس ارشاد

میں کوئی شک ہوسکتا ہے کہ :۔

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی ۔

اور یہ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتے، یہ جو کچھ ہے وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔

یہ بات تو محض قیاس کی بنیاد پر بھی کہی جاسکتی ہے کہ فحاشی سے بیماریاں پھیلتی ہیں، لیکن یہ بات کہ "ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جو گذرے ہوئے اسلاف کے زمانے میں موجود نہیں تھیں" اُس وحی کی روشنی کے بغیر نہیں کہی جاسکتی جو کسی نبی کو صدیوں کے پار دیکھنے کی صلاحیت عطا کرتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارا معاشرہ ابھی پستی کی اُس انتہا کو تو نہیں پہنچا جو مذکورہ مضامین میں نظر آتی ہے، لیکن نہ جانے کتنے اسباب و عوامل ہیں جو اُسے نہایت تیزی کے ساتھ اسی انتہا کی طرف گھسیٹ کر لیجانا چاہ رہے ہیں عفت وعصمت اور شرافت واخلاق کی قدریں بہت تیز رفتاری سے مٹ رہی ہیں، بے پردگی، مردوزن کا آزادانہ میل جول، سینما گھر مخلوط تعلیم گانے بجانے کے نام پر عصمت فروشی جس کا تذکرہ پچھلے اداریے میں کیا گیا تھا۔ ہر شعبۂ زندگی میں عورتوں کے مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ کام کرنے کے نعرے اور اس جیسے نہ جانے کتنے عوامل ہیں جو ہمارا رُخ اسی تباہی کی طرف کئے ہوئے ہیں اور اب رہی سہی کسر ویڈیو فلموں نے پوری کردی ہے۔ اور ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ اسی نفاذ اسلام کی دعویدار حکومت کے دور میں وی سی آر کی درآمد پر سے باقاعدہ پابندیاں نرم کرکے عوام کو یہ سہولت "بہم پہنچائی گئی ہے کہ وہ اس متعفن امریکی تہذیب کے مناظر گھر بیٹھے دیکھ سکیں، اور اس طرح جنس پرستی کا یہ کوڑھ گھر گھر پھیل سکے۔

یہ سب کچھ "عصر حاضر کے تقاضوں" کے نام پر ہورہا ہے، نعرے یہ لگ رہے ہیں کہ ہمیں وہ اسلام چاہئیے جو زمانے کا ساتھ دے سکے، جو "ماڈرن" ضروریات کا لحاظ رکھ سکے، گویا ہر اُس وبا کا گرمجوشی سے استقبال کر سکے جو مغرب کے کسی گوشے سے پھوٹی ہو۔

اب اگر کوئی شخص مذکورہ بالا حقائق کے حوالے سے یہ کہتا ہے کہ خدارا! اس قوم پر رحم کرو۔ یہاں سے بے پردگی، عریانی اور فحاشی کو ختم کرو۔ مخلوط تعلیم کے زہر سے نئی نسل کو بچاؤ۔ مردوزن کے آزادانہ اختلاط کو روکو، ویڈیو کیسٹوں کے ذریعے پھیلنے والے اخلاقی جذام کا سدباب کرو۔ گانے بجانے اور رقص وسرود کی محفلوں پر پابندی عائد کرو۔ اور اس طرح اس قوم کو پستی وہلاکت کے اس مہیب غار سے بچاؤ۔ جس کی آخری تہہ سے مغرب کے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔

تو ایسی باتیں کہنے والا شخص پرلے درجے کا دقیانوسی، رجعت پسند، تنگ نظر اور جنونی ہے۔ اُسے زمانے کے ساتھ قدم ملا کر چلنا نہیں آتا، لہٰذا اس کی چیخ وپکار کو ہر قیمت پر "ماڈرن زندگی" کے شورِ طرب میں گم ہوجانا چاہئیے ؎

خرد کا نام جنوں رکھدیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

محمد تقی عثمانی

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۰۷ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

درس قرآن و حدیث

معارف القرآن * سورۂ ص * آیت ۶۵ تا ۸۸

خلاصۂ تفسیر

آپ کہہ دیجئے کہ (تم جو رسالت اور توحید کے مسئلہ میں تکذیب و انکار کرتے ہو تو تمہارا ہی نقصان ہے میرا کچھ ضرر نہیں، کیونکہ) میں تو تم کو صرف عذاب خداوندی سے) ڈرانے والا (پیغمبر) ہوں، اور (جیسے میرا رسول اور منذر ہونا واقعی ہے اسی طرح توحید بھی برحق ہے یعنی) بجز اللہ واحد غالب کے کوئی لائق عبادت کے نہیں ہے، وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں (اور وہ) زبردست (اور گناہوں کا) بڑا بخشنے والا ہے۔ (اور چونکہ توحید کو تو کسی درجہ میں وہ لوگ مانتے بھی تھے اور رسالت کے بالکل ہی منکر تھے، اس لئے رسالت کی مزید تحقیق کے لئے ارشاد ہے کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ یہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا مجھ کو توحید اور احکام شریعت کی تعلیم کے لئے رسول بنانا) ایک عظیم الشان مضمون ہے جس (کا تم کو بڑا اہتمام چاہیئے تھا، مگر افسوس کہ اُس) سے تم (بالکل ہی) بے پرواہ ہو رہے ہو (اور اس کے عظیم الشان مضمون ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اعتقاد رکھے بغیر حقیقی سعادت کا حصول ناممکن ہے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت کرنے کی ایک دلیل ہے وہ یہ کہ) مجھ کو عالم بالا (کی بحث و گفتگو) کی (کسی ذریعہ سے) کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ وہ (تخلیق آدم کے بارے میں جس کی تفصیل آگے آتی ہے، اللہ تعالیٰ سے) گفتگو کر رہے تھے (اب میں جو اس گفتگو کا واقعہ بتا رہا ہوں تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ مجھے یہ واقعہ کہاں سے معلوم ہوا؟ میں نے بچشم خود تو اسے دیکھا نہیں، اہل کتاب سے بھی میرا ایسا میل جول نہیں کہ اُن سے معلوم کر لیتا، یقیناً مجھے یہ علم وحی کے ذریعہ ہی حاصل ہوا ہے، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ) میرے پاس (جو) وحی (آتی ہے جس سے عالم بالا کے احوال بھی معلوم ہوتے ہیں تو) محض اس سبب سے آتی ہے کہ میں (منجانب اللہ) صاف صاف ڈرانے والا (کر کے بھیجا گیا) ہوں (یعنی چونکہ مجھے پیغمبری ملی ہے، اس لئے وحی نازل ہوتی ہے

پس واجب ہے کہ تم میری رسالت کی تصدیق کرو۔ اور عالم بالا کی اللہ تعالیٰ سے گفتگو جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے اُس وقت ہوئی تھی) جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان کو (یعنی اُس کے پتلے کو) بنانے والا ہوں سو میں جب اس کو (یعنی اس کے جسمانی اعضاء کو) پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی (طرف سے) جان ڈالوں تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا، سو (جب اللہ تعالیٰ نے اس کو بنالیا تو) سارے کے سارے فرشتوں نے (آدم علیہ السلام کو) سجدہ کیا، مگر ابلیس نے کہ وہ غرور میں آگیا اور کافروں میں سے ہوگیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا (یعنی جس چیز کو وجود میں لانے کے لئے خاص عنایتِ ربانی متوجہ ہوئی، پھر اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو) اس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون چیز مانع ہوئی، کیا تو غرور میں آگیا؟ (اور واقع میں بڑا نہیں ہے) یا یہ کہ تو (واقع میں ایسے) بڑے درجہ والوں میں ہے (جس کو سجدہ کا حکم کرنا ہی زیبا نہیں) کہنے لگا کہ (دوسری بات صحیح ہے یعنی) میں آدم سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور اس (آدم) کو خاک سے پیدا کیا ہے (پس مجھ کو حکم دینا کہ اس کے سامنے سجدہ کروں حکمت کے خلاف ہے) ارشاد ہوا تو (اچھا پھر) آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو (اس حرکت سے) مردود ہوگیا اور بیشک تجھ پر میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک (اور اس کے بعد موردِ رحمت ہونے کا احتمال نہیں ہے) کہنے لگا (کہ اگر مجھ کو آدم کی وجہ سے مردود کیا ہے) تو پھر مجھکو (مرنے سے) مہلت دیجئے قیامت کے دن تک (تاکہ ان سے اور ان کی اولاد سے خوب بدلہ لوں) ارشاد ہوا۔ (جب تو مہلت مانگتا ہے) تو (جا) تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی، کہنے لگا (جب مجھ کو مہلت مل گئی) تو (مجھ کو بھی) تیری (ہی) عزت کی قسم (ہے) کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے اُن بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں (یعنی آپ نے اُن کو میرے اثر سے محفوظ رکھا ہے) ارشاد ہوا کہ میں سچ کہتا ہوں اور میں تو (ہمیشہ) سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں تیرا ساتھ دے ان سب سے دوزخ بھر دوں گا۔

(سورت کی ابتدائی آیات سے واضح ہے کہ اس سورت کا بنیادی مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات ہے۔ اس موضوع پر دلائل تو دیئے جا چکے، اب ناصحانہ طریقہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے) آپ (بطور اتمام حجت کے) کہدیجئے کہ میں تم سے اس (قرآن کی تبلیغ) پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں (کہ بناوٹ کی راہ سے نبوت کا دعویٰ کیا ہو اور غیر قرآن کو قرآن کہدیا ہو، یعنی اگر جھوٹ بولتا تو اس کا منشا یا تو کوئی مادی نفع ہوتا جیسے معاوضہ، یا کوئی طبعی عادت ہوتی جیسے تکلف، سو یہ دونوں باتیں نہیں، بلکہ فی الواقع) یہ قرآن تو (اللہ کا کلام اور) دنیا جہان والوں کے لئے بس ایک نصیحت ہے (جس کی تبلیغ کے لئے مجھ کو نبوت ملی ہے اور جس میں سراسر تمہارا ہی نفع ہے) اور (اگر حق کے واضح ہونے کے باوجود بھی تم نہیں مانتے تو) تھوڑے دنوں پیچھے تم کو اس کا حال معلوم ہو جاوے گا (یعنی مرنے کے ساتھ ہی حقیقت کھل جائے گی کہ یہ حق تھا اور اس کا انکار باطل تھا، مگر اس وقت معلوم ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا)

معارف و مسائل

خلاصہ مضامین سورت قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ۔ سورت کے شروع میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس سورت کا اصل مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور کفار کی تردید ہے، اسی ضمن میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات دو وجہ سے ذکر کئے گئے تھے، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ بھی کفار کی بے ہودہ

باتوں پر صبر فرمائیں۔ دوسرے یہ کہ ان واقعات سے خود وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو ایک نبی برحق کی رسالت کا انکار کر رہے ہیں، اس کے بعد ایک اور طریقے سے کفار کو دعوتِ اسلام دی گئی اور وہ اس طرح کہ مؤمنوں کی نیک انجامی اور کافروں کے عذاب شدید کا نقشہ کھینچا گیا اور اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ جن لوگوں کی اتباع میں تم آج افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہو، آخرت کے دن وہی لوگ تمہاری مدد سے دستبردار ہو جائینگے، وہ تمہیں برا بھلا کہیں گے اور تم ان پر لعنت بھیجو گے

ان تمام مضامین کے بعد آخر میں پھر اصل مدعا یعنی اثباتِ رسالت کا بیان کیا گیا ہے، اور دلائل پیش کرنے کے ساتھ ناصحانہ انداز میں دعوت بھی دی گئی ہے۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ (مجھ کو عالمِ بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ وہ گفتگو کر رہے تھے) یعنی یہ میری رسالت کی واضح دلیل ہے کہ میں تم سے عالم بالا کی ایسی باتیں بیان کرتا ہوں جو وحی کے سوا کسی بھی ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتیں۔ اِن باتوں سے مراد ایک تو وہ گفتگو ہے جو تخلیق آدمؑ کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوئی تھی، اور جس کا تذکرہ سورہ بقرہ میں آچکا ہے۔ فرشتوں نے کہا تھا کہ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ۔ (کیا آپ زمین میں ایسے انسان کو پیدا کر رہے ہیں جو وہاں فساد پھیلائے اور خونریزی کرے؟) اس گفتگو کو یہاں "اختصام" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے لفظی معنیٰ ہیں "جھگڑا" یا "بحث و مباحثہ" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ سوال کوئی اعتراض یا بحث و مباحثہ کے نقطۂ نظر سے نہ تھا بلکہ وہ محض تخلیق آدم کی حکمت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن سوال جواب کا ظاہری رُوکار چونکہ بحث کا سا ہو گیا تھا اس لئے اُسے "اختصام" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے جب کوئی چھوٹا کسی بڑے سے کوئی سوال کرتا ہے تو بعض اوقات بڑا آدمی اس کا ذکر کرتے ہوئے ازراہِ تفنن اس کے سوال و جواب کو جھگڑے سے تعبیر کر دیتا ہے۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ (جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا الخ) یہاں تخلیق آدم کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی مذکورہ بالا گفتگو کی طرف اشارہ کے ساتھ ساتھ اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ جس طرح ابلیس نے محض حسد اور تکبر کی وجہ سے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اسی طرح مشرکینِ عرب بھی حسد اور آپ کی بات نہیں مان رہے، اور جو انجام ابلیس کا ہوا وہی ان کا بھی ہونا ہے (تفسیر کبیر)

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے انہیں پیدا کیا، جمہورِ اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ "ہاتھوں" سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی ہاتھ ہیں جیسے انسانوں کے ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء و جوارح کی احتیاج سے منزّہ ہے لہٰذا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور عربی زبان میں لفظ "ید" بکثرت قدرت کے معنیٰ میں مستعمل ہے، مثلاً ارشاد ہے: بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ، میں نے آدم کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ اور یوں تو کائنات کی ساری چیزیں قدرتِ خداوندی ہی سے پیدا ہوئی ہیں، لیکن جب باری تعالیٰ کسی چیز کا خصوصی شرف ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو اُسے خاص طور سے اپنی طرف منسوب فرما دیتے ہیں۔ جیسے کعبہ کو بیت اللہ۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ یا روح اللہ کہا گیا ہے۔ یہاں بھی یہ نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے کی گئی ہے (قرطبی)

تکلف اور تصنع کی مذمت | وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ (اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں) مطلب یہ ہے،

کہ میں تکلف اور تصنع کر کے اپنی نبوت و رسالت اور علم و حکمت کا اظہار نہیں کر رہا۔ بلکہ اللہ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک پہنچا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکلف اور تصنع شرعاً مذموم ہے چنانچہ اس کی مذمت میں بعض احادیث وارد ہوئی ہیں صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد منقول ہے کہ۔

"اے لوگو، تم میں سے جس شخص کو کسی بات کا علم ہو وہ تو لوگوں سے کہدے، لیکن جس کا علم نہ ہو تو وہ "اللہ اعلم" کہنے پر اکتفا کرلے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔ (روح المعانی)

کبر کا علمی اور عملی علاج

۱۔ ارشاد: تکبر کا علمی علاج تو یہ ہے کہ اپنے عیوب کو سوچا کرے اور یوں سمجھے کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسرے کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے اور جو شخص معیوب یقینی ہو وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے اس لئے مجھے اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا چاہئے اور عملی علاج یہ ہے کہ جس کو تم اپنے سے چھوٹا سمجھتے ہو اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آؤ اور یہ عملی علاج جزو اعظم ہے بدون اس کے علمی علاج تنہا کافی نہیں تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جب تک عملی علاج نہ کیا جاوے گا تکبر دور نہ ہوگا۔ (انفاس عیسیٰ)

۲۔ حال: آج کل ایک اور نہایت شرمناک امر لاحق ہوا جس کے اظہار سے طبیعت انکار کرتی ہے اور حیا مانع ہوتی ہے مگر اسی خیال سے کہ اس طرح سے شاید زیادتی ہوتی چلی جاوے یا اس سے کوئی دوسرا نقصان پیدا ہو جائے کوئی چارہ نہیں دیکھا۔ اس لئے عرض ہے کہ کچھ عرصہ سے اپنے اندر آثار ترفع کے پاتا ہوں۔ چھوٹی عمر کے یا نیچے درجہ کے طالب علموں سے سلام و کلام کرتے ہوئے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے عار سی آتی ہے اور وہ تمام امور جو پہلے بآسانی اور بلا تکلف جیسا کہ طلباء کا طرز عمل ہونا چاہئے انجام پاتے تھے اب دقت سے پورے ہوتے ہیں اور ان کے کرنے میں شرم سی آتی ہے۔ اکثر باتوں میں اپنی وقعت کا خیال رہتا ہے اور ایسے امور کے ارتکاب کی طرف رغبت ہوتی ہے جس سے ایک امتیاز پیدا ہو۔

مولانا عبدالرؤف سکھروی

مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ

خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ

قال اللہ تعالیٰ: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (سورۂ نحل آیت ۹۶)

یہ کلام پاک کی آیت ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجران کو ضرور دیں گے

جو کچھ تمہارے پاس ہے

اس مختصر آیت میں اللہ جل شانہ نے سب سے پہلے لفظ فرمایا ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے اب ہم سوچیں کہ ہمارے پاس کیا ہے اول تو جو کچھ ہے وہ خدا کا دیا ہوا ہے۔ پھر اگر مستعار طور پر ہم اس کے مالک مجازی بنا بھی دئیے گئے تو وہ کسی طرح ملکیت ہماری شمار نہیں ہو سکتی۔ دولت ہو، اولاد ہو، مال، جائیداد ہو، کھیتی کاروبار ہو اور اس کے علاوہ جو بھی ہو وہ سب "جو کچھ" کی تعریف میں آتا ہے تو ظاہر ہے کہ دولت، اولاد، جائداد انمیں سے کچھ باقی رہنے والا نہیں۔ اب اپنے جسم پر غور کیا جائے۔ صحت، طاقت، جوانی، حسن، یہ بھی چیزیں باقی رہنے والی نہیں ہیں۔ پھر حالات کا جائزہ لو! خوشی، غمی، بے فکری، بے چینی، غصہ، ہنسی، صحت، بیماری، امیری، غریبی۔ غرض کوئی حالت ہو وہ بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ انسان کسی ایک حالت پر تھوڑی سی دیر بھی قائم نہیں رہتا۔ بلکہ وہ حالات ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی بہت بڑی خوشی حاصل ہوئی اس کی لذت تھوڑی دیر میں جاتی رہی۔ کوئی بڑی تکلیف آگئی۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد اس کو بھول گیا۔

گو وقتی طور پر تھوڑی سی دیر کے لئے ان حالات کے تاثرات ہمارے ذہن میں بھی رہتے ہیں۔ لیکن جوں جوں

مدت گزرتی جائے ان کا خیال بھی دماغ سے محو ہو جاتا ہے۔ بیشتر واقعات یا صدمات، ایسے ہماری زندگی میں پیش آتے ہیں کہ اگر صدمہ کا اثر اسی حادثہ کے وقت کی طرح آج بھی ہمارے ذہن میں بدستور قائم رہتا تو ہمارے ذہنوں کا کیا حال ہوتا، یا کوئی بڑی سے بڑی لذت مسلسل ہمارے پاس رہتی تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہم اس لذت سے بھی بے کیفی محسوس کرتے، اور اکتا جاتے۔ اس خوشی یا لذت سے غرض تھوڑا یا بہت چھوٹا یا بڑا کوئی صدمہ، کوئی خوشی ایسی نہیں جو باقی رہنے والی ہو۔ اور یہ سب اس آیت کے پہلے لفظ "جو کچھ" کی تعریف میں آتا ہے یعنی جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے۔

جو کچھ خدا کے پاس ہے

اور پھر فرمایا جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ یہاں پر ایک بات کتنی واضح ہے کہ خدا خود بھی باقی رہنے والا ہے۔ اس لئے جو کچھ اس کے پاس ہے وہ بھی باقی رہنے والا ہے اور جو کچھ تمہارے بھیجے ہوئے عمل اس کے پاس پہنچ گئے وہ بھی باقی رہینگے یعنی دنیا کی لذت اور خوشی پا کر ہم نے اگر خدا کا شکر ادا کر لیا تو لذت اور خوشی تو رہنے والے نہیں مگر شکر کے وہ چند الفاظ جو ہم نے اپنی زبان سے ادا کر لئے وہ اللہ کے پاس باقی رہیں گے۔

اور مصیبت اور تکلیف کا صدمہ تو ہمیشہ باقی نہ رہے گا۔ ہاں! اس پر صبر کے نکلے ہوئے الفاظ حیاتِ جاودانی اختیار کر لیں گے اور قیامت کے دن اللہ پاک شمار کرا کر ایک ایک نیکی کا کئی کئی بار بدلہ عطاء فرمائیں گے۔

یہ صرف ذہن بنانے کی بات ہے اگر ہم اپنا ذہن اس طرح بنالیں کہ جو کچھ غم یا خوشی آئے اللہ کے ذکر کے ساتھ اس وقت کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق گزار دیں۔ تو ان، فانی حالات میں سے ایسے باقی ذخائر ہم اللہ کے پاس بھیج دیں گے جو ہمیشہ کے لئے اس کے پاس ہمارے حساب میں جمع ہو جائیں گے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ ہم کو کسی نے گالی دی۔ یا کوئی نقصان پہنچایا، تو وہ نہ تو گالی ہمیشہ باقی رہے گی اور نہ نقصان ہمیشہ قائم رہے گا اور گالی تو محض بد زبانی کا اظہار ہے۔ اس سے تو ہمارا کچھ بھی نہیں بگڑتا، بلکہ ایسی بے بنیاد چیز پر یعنی گالی کے بدلے ہم نے اگر ایک گالی دیدی تو اس کی اور ہماری دونوں کی بد زبانی کا گناہ دونوں پر باقی رہ جائے گا اور وہ ہم کو قیامت کے دن خسارہ پہونچائے گا۔ لیکن اگر ہم اس گالی کو برداشت کر گئے اور جواباً اس کو کہدیا کہ اللہ تم کو نیک ہدایت دے تو یہ دعائیہ جملے ہمارے واسطے سرمایۂ آخرت اور اس کے واسطے ذریعۂ ہدایت بن جائیں گے۔ اسی طرح کسی خوشی اور نقصان کے تاثرات تو تھوڑی دیر میں ختم ہو جائیں گے۔ لیکن باقی رہنے والی وہ نیکیاں یا برائیاں ہوں گی جو اس کو پا کر ہم نے اپنے دل اور زبان سے ادا کیا۔

بزرگانِ دین کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی خوشی یا صدمہ آتا تو نوافل پڑھتے اور خدا کا ذکر کرتے تھے۔ اور یہی چیز خدا کے پاس باقی رہنے والی ہے۔

صبر کا بدلہ

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ پھر ہم جلد ہی اس صبر کا بدلہ دیں گے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ ساری تعلیم کس کے لئے دی جا رہی ہے۔ دراصل صبر کے لئے بندوں کو تیار کرنا تھا۔ پتہ چلا کہ صبر کے معنی یہی نہیں کہ کوئی مرجائے تو اس پر صبر کریں، بلکہ ہر چھوٹی یا بڑی ناگواری کو برداشت کرنا صبر ہے۔ چونکہ صبر اللہ پاک کو بہت پسند ہے اور صبر کا بدلہ بہت اچھا ملنے والا ہے اور ایک

ایک صبر کا بدلہ زندگی بھر کی نیکیوں سے بڑھکر دینے والے ہیں ۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم خبر دیتے ہیں کہ خدا تمہاری ایک نیکی کو اگرچہ وہ کھجور کی گٹھلی کے برابر ہو ۔ پال پال کر احد کے پہاڑ کے برابر قیامت کے دن اس کا بدلہ عطا فرمائیں گے ظاہر ہے کہ کسی چیز کو پالنے سے وہ بڑھتی ہے اور پھر جب رزاق دو جہاں کا پالنے والا ہو تو کتنی پرورش ہوگی وہ جو اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چلنے والی سیاہ چیونٹی کی رفتار سنتا ہے اور پتھر کے نیچے دبے ہوئے کیڑے کو رزق عطا کرتا ہے ۔ اس کا پالنا کیسا ہوگا ۔؟ اب ایک ذرا سے نقصان پر جو ہم نے صبر کیا اور اس پر خدا کا شکر ادا کیا ۔ اس ہماری نیکی کو اللہ پاک باقی رکھیں گے اور یہی نہیں بلکہ زندگی کے اچھے سے اچھے نیک کام کا جو بدلہ ہوسکتا ہے اس پر وہ عطا فرمائیں گے ۔

اب اگر ہم کو اس کا یقین ہو جائے کہ گالی سن کر یا نقصان اٹھا کر جو ذرا سی دیر میں ختم ہو جانیوالا ہے ہم صبر کریں تو خدا کے یہاں کتنا بڑا بدلہ ملنے والا ہے تو ہم بڑے سے بڑے نقصان پر بھی اس کا شکر ادا کریں اور صابر ہو جائیں ۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ دنیا کا کوئی بڑا حاکم ہم کو بلائے اور ہمارے لئے سامان آراستہ ہوں ، اراکین حکومت ہم کو لینے کے لئے باادب حاضر ہوں اور راستہ میں کوئی شخص ہم کو گالی دیدے تو ہم اس کی گالی کو شمار بھی نہیں کریں گے ۔ بدلہ لینا تو کیا ہے ؟ چونکہ ہمارے سامنے وہ عزت اور مرتبہ عطا ہونیوالا ہے کہ اگر ہم اس وقت اس گالی دینے والے کی طرف توجہ بھی کریں گے تو ہمارا قیمتی وقت ضائع ہو جائے گا ۔ اور توجہ دوسری طرف ہو جائیگی ۔ اس پر نہ تو ہم منہ بنائیں گے اور نہ غصہ ہوں گے نہ اس کی گالی کا کوئی خیال دل میں لائیں گے ۔ بلکہ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کریں گے ۔ بلکہ اپنے چہرہ پر اور بھی مسکراہٹ اور شکر کا اظہار پیدا کریں گے کہ سامنے عظیم ہستی ہمارے استقبال میں ہے ۔

بالکل اسی طرح خبردار کیا جا رہا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونیوالا ہے اور جو خدا کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے ۔

طاعت میں لگنے والا وقت :

لہٰذا دنیا میں جتنا وقت ہم خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں صرف کریں گے وہی وقت قیمتی ہوگا ۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ ہم کو کسی سے لڑائی ، جھگڑا کرنیکا وقت تو کجا کسی سے صلح کرنے کا وقت بھی نہیں ہے ۔ جتنا وقت اس کی یاد کے بغیر گذرے گا وہ بے قیمت ہوگا اور باقی رہنے والی وہی ساعتیں ہوں گی جو اس کے ذکر میں مصروف ہوں ۔

ایک بزرگ ستو پھانک کر گذارا کرتے تھے ۔ ان سے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں ۔ جواب دیا کہ میں نے حساب لگایا ہے ، جتنا وقت روٹی کھانے میں صرف کروں اتنی دیر میں کئی ہزار بار سبحان اللہ کہہ سکتا ہوں ۔ چنانچہ چالیس سال سے یہی دستور ہے ۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ ہم بھی ستو پھانکیں ۔ بلکہ یہ مثالیں اس لئے ہیں کہ ہمارے ذہن میں یہ آجائے کہ جو وقت بھی میسر ہو ، خدا کے ذکر میں گذارنے کی کوشش کریں اور یہ خیال رکھیں کہ جلد ہمیں اس کے پاس جانا ہے اور ایک ایک ذرہ کا حساب دینا ہے ۔ جو حالات بھی ہم پر دنیا میں آئیں گے وہ ختم ہو جائیں گے ۔ لیکن ان کے اوپر جو نیکیاں ہم خدا کے پاس بھیج دیں گے وہ باقی رہیں گی ۔

سو سال کا کافر اگر ایک دفعہ صدق دل سے کلمہ پڑھ لے تو اس کی ساری زندگی کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۔ پھر ایک مسلمان کیلئے کیا کچھ عطائیں ہیں ۔ ساری دنیا کے لوگ اگر کمائی پر لگ جائیں تو ساری عمر میں اتنا نہیں کما سکتے ۔ جتنا ایک مسلمان ایک منٹ میں کما سکتا ہے بس ایک منٹ کی قیمت معلوم ہونا شرط ہے ۔ جس کے لئے یقین کی ضرورت ہے ۔

اللہ پاک ہم کو اپنی ذات عالی کا یقین عطا فرمائیں ۔ اور ہر وقت اپنے ذکر کی توفیق عطا کریں ۔ آمین ثم آمین
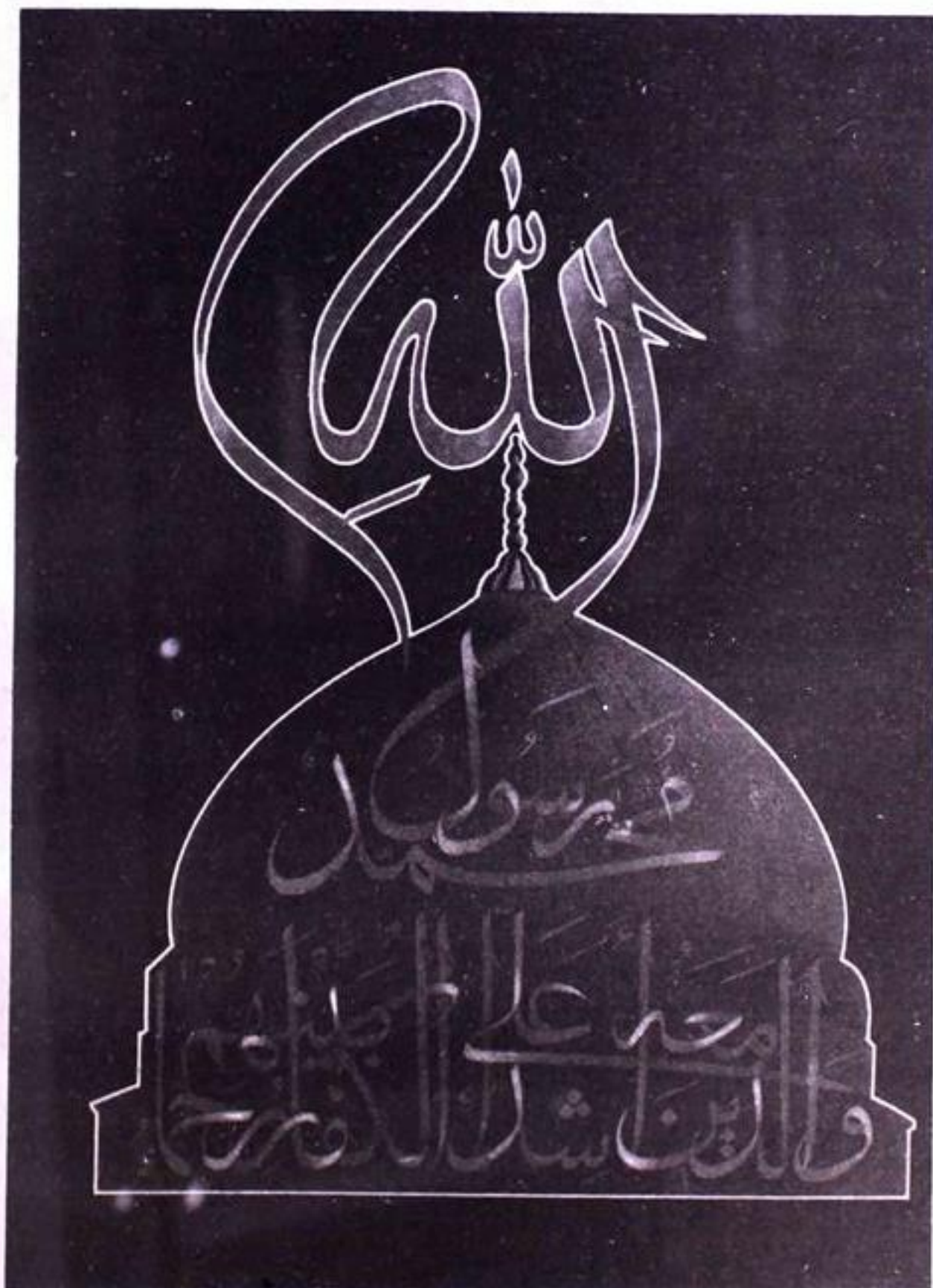
مجلس ۲۸ اگست ۱۹۶۵ء

محمد تقی عثمانی

(۴)

حضرت معاذ بن جبلؓ کے مزار پر :

حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کے مزار سے جنوب کی طرف اور آگے چلیں تو تقریباً ۲ کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شہر "شونہ شمالیہ" سے ذرا پہلے حضرت معاذ بن جبلؓ کا مزارِ مبارک واقع ہے، ہمیں یہاں حاضری کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ یہ ایک پہاڑی کے دامن میں ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد ہے جس کا فرش اُس وقت بارش کی وجہ سے بھیگا ہوا تھا، اسی مسجد کے شمالی حصے میں حضرت معاذؓ کا مزار ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ وہ جلیل القدر انصاری صحابی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "أعلمھم بالحلال والحرام" (صحابۂ کرامؓ میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم) قرار دیا۔[1] آپ مدینۂ منورہ کے قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، اور ہجرت سے پہلے جب ستر انصارِ مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عقبہ میں بیعت کی تو اُن میں حضرت معاذؓ بھی شامل تھے، اُس وقت آپ اتنے کمسن تھے کہ داڑھی بھی نہیں نکلی تھی۔ غزوۂ بدر میں آپ بیس

---

[1] جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب اہل البیت، حدیث نمبر ۳۷۹۳، وسنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب فضائل خبابؓ۔

سال کے تھے، اور تقریباً تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ البتہ غزوۂ حنین کے موقع پر آپؐ نے حضرت معاذؓ کو اہل مکہ کی تعلیم کیلئے مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا تھا۔ [۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاذؓ سے بہت محبت تھی، اور آپ وہ خوش نصیب صحابی ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا: "اے معاذ! میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے تم سے اللہ کیلئے محبت ہے۔" حضرت معاذؓ نے جواب دیا: "خدا کی قسم یا رسول اللہ! مجھے بھی آپ سے اللہ کے لئے محبت ہے۔" اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں جو تم ہر نماز کے بعد کہا کرو: رَبِّ أَعِنِّي عَلَىٰ ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔ [۲]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نعم الرجل أبو بكر، نعم الرجل عمر، نعم الرجل معاذ بن جبل" یعنی: "ابوبکر اچھے آدمی ہیں، عمر اچھے آدمی ہیں، معاذ بن جبل اچھے آدمی ہیں۔" [۳]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخر میں حضرت معاذؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، اور آپ ہی سے قضاءِ شرعی کے بارے میں وہ مشہور سوالات فرمائے تھے کہ "کس طرح فیصلہ کرو گے؟" حضرت معاذؓ نے فرمایا: کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، اگر کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ ملا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ "اگر رسول کے فیصلے میں بھی کچھ نہ ملے تو کیا کرو گے؟" حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ "اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اور حق تک پہنچنے کی کوشش میں کوتاہی نہ کروں گا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے نمائندے کو اس بات کی توفیق دی جو اللہ کے رسول کی مرضی کے مطابق ہے۔" [۴]

پھر یہی نہیں، جب حضرت معاذؓ کی روانگی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں الوداع کہنے کیلئے خود تشریف لے گئے، یہاں تک کہ حضرت معاذؓ کو اپنے سامنے اونٹنی پر سوار کرایا، پھر اسی پر بس نہیں کیا، جب ان کی اونٹنی روانہ ہو گئی تو آپؐ کافی دیر تک ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ یہ اپنے محبوب فداکار سے میری آخری ملاقات ہے، اور وہ بہت دُور جا رہے ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جذبات کا اظہار بہت کم مواقع پر ثابت ہے، لیکن یہ حضرت معاذؓ کے ساتھ آپ کے خصوصی تعلق کا کرشمہ ہے کہ اس موقع پر آپؐ کی زبانِ مبارک سے کچھ ایسے الفاظ صادر ہوئے جو ایک آنکھوں سے دُور ہوتے ہوئے محبوب کو جُدا کرتے وقت آپؐ کے دلی جذبات کے

---

[۱] مستدرک الحاکم ص ۲۷۰، ج ۳ وسیر اعلام النبلاء ص ۴۵۹ ج ۱، [۲] سنن النسائی، کتاب الصلاۃ فی السہو، نوع آخر من الدعاء، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الاستغفار، حدیث نمبر ۱۵۲۲، [۳] جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاذ، حدیث ۳۷۹۰، [۴] جامع الترمذی ابواب الاحکام حدیث نمبر ۱۳۲۷ و ۱۳۲۸۔

آئینہ دار تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

یا معاذ! انك عسی أن لا تلقانی بعد عامی هذا، أو لعلك أن تمرّ بمسجدی أو قبری۔

معاذ! بہت ممکن ہے کہ شاید اس سال کے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو، یا شاید اب تم میری مسجد یا میری قبر کے پاس سے گزرو۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو نہ جانے کب سے اپنے جذبات کو ضبط کئے ہوئے ہونگے، یہ فقرہ سنتے ہی پھوٹ پڑے، شاید پہلے دل کو یہ تسلی دیتے رہے ہونگے کہ یہ ایک ڈیڑھ سال کی جُدائی ہوگی، لیکن جب سرکارؐ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ سُنا تو یقین ہوگیا ہوگا کہ یہ جلوۂ جہاں تاب اب جیتے جی نظر آنے والا نہیں ہے، ان کے منہ سے آہ نکلی، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ سرکارؐ نے فرمایا: "معاذ! روؤ نہیں"، — اور یہ فرما کر آپؐ نے خود اپنا رُخ بھی موڑ کر مدینہ منورہ کی طرف کرلیا، اور پھر فرمایا:

إنّ أولی الناس بی المتقون، من کانوا وحیث کانوا[1]

"مجھ سے قریب ترین لوگ وہ ہیں جو متقی ہوں، خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں۔"

چنانچہ اس کے بعد حضرت معاذؓ یمن چلے گئے، اور جب واپس آئے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوبِ حقیقی کے پاس پہنچ چکے تھے — اس کے بعد حضرت معاذؓ مدینہ منورہ میں نہیں رہے، شام جانے کا ارادہ کرلیا، پیشِ نظر غالباً یہ تھا کہ وہاں جہاد میں حصہ لیں گے، یہاں تک کہ شہادت کی منزل حاصل ہوجائے، حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ان کو مدینہ منورہ ہی میں روک لیجئے، لوگوں کو ان کی ضرورت ہے، لیکن حضرت صدیقؓ نے جواب دیا کہ انہوں نے ایک راستے کا انتخاب کرلیا ہے، (یعنی شہادت کا) لہٰذا میں انہیں روک نہیں سکتا"[2] چنانچہ حضرت معاذؓ شام چلے آئے۔ یہاں آپ نے جہاد میں بھی حصہ لیا، تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اور حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کے دستِ راست بنے رہے۔

حضرت عمرؓ کو بھی حضرت معاذؓ سے بہت تعلق تھا، وہ فرماتے تھے کہ:

عجزت النساء أن یلدن مثل معاذؓ[3]

"عورتیں معاذؓ جیسا شخص پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔"

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک غلام کو چار سو دینار دیکر کہا کہ یہ ابو عبیدہؓ کے پاس لیجاؤ، پھر تھوڑی دیر ان کے گھر میں ٹھہر کر دیکھو کہ وہ ان کا کیا کرتے ہیں؟ غلام وہ دینار حضرت ابو عبیدہؓ

---

[1] مسند احمد ص ۲۳۵ ج ۵ و سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۸ ج ۱، [2] سیر اعلام النبلاء، ص ۴۵۲ ج ۱، [3] ایضاً ص ۴۵۲ ج ۱،

کے پاس لے گیا، حضرت ابو عبیدہؓ نے دینار لیکر حضرت عمرؓ کو دُعائیں دیں کہ "اللہ تعالیٰ ان کو اس کا صلہ دے اور ان پر رحم فرمائے"۔ پھر اپنی کنیز سے کہا کہ "یہ سات دینار فلاں کے پاس لیجاؤ، یہ پانچ فلاں کے پاس" یہاں تک کہ وہ سارے دینار اسی وقت تقسیم کر ڈالے۔ غلام حضرت عمرؓ کے پاس لوٹ آیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اتنے ہی دینار اسے دوبارہ دیئے کہ "اب یہ معاذ بن جبلؓ کے پاس لیجاؤ، اور اسی طرح دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں"۔ وہ حضرت معاذؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے بھی وہی معاملہ کیا، جب سارے دینار ختم ہونے لگے تو اندر سے ان کی اہلیہ نے آواز دی کہ "ہم بھی نادار ہیں، کچھ ہمیں بھی دیدیجئے"۔ اس وقت تھیلی میں دو دینار باقی تھے، حضرت معاذؓ نے وہ دو دینار اہلیہ کی طرف لڑھکا دیئے۔ غلام نے لوٹ کر حضرت عمرؓ کو یہ واقعہ بتایا تو حضرت عمرؓ نے خوش ہو کر فرمایا کہ "یہ آپس میں بھائی ہیں اور ایک جیسے ہیں"۔ [1]

حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ جب طاعون میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو اپنے بعد شام کی حکومت کیلئے نامزد فرمایا۔ اس زمانے میں طاعون انتہائی تیز رفتاری سے پھیل رہا تھا، اس موقع پر حضرت معاذؓ نے لوگوں کو سُنایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ "تم لوگ شام کی طرف ہجرت کرو گے، وہ تمہارے ہاتھ پر فتح بھی ہوگا، اور وہاں ایک ایسی بیماری ظاہر ہوگی جو پھوڑے یا گٹھلی کی طرح ہوگی ..... اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت بخشیں گے اور تمہارے اعمال کا تزکیہ فرمائیں گے"۔

اس کے بعد حضرت معاذؓ نے یہ دُعا فرمائی کہ یا اللہ! اگر معاذ نے واقعۃً یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے تو اُسے اور اس کے گھر والوں کو بھی اس فضیلت سے وافر حصہ عطا فرما۔ چنانچہ طاعون ان کے گھر میں بھی داخل ہو گیا، حضرت معاذؓ کے گھر کا کوئی فرد اس سے نہیں بچا، حضرت معاذؓ کو طاعون کی گٹھلی شہادت کی انگلی میں نکلی، آپ اسے دیکھ کر فرماتے: "اگر کوئی اس کے بدلے مجھے سُرخ اونٹ بھی دے تو وہ مجھے پسند نہیں"۔ [2]

حضرت معاذؓ کو طاعون میں مبتلا دیکھ کر ایک صاحب رونے لگے، حضرت معاذؓ نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ "میں اس وجہ سے نہیں روتا کہ مجھے آپ کے ذریعے کوئی دُنیوی دولت ملتی تھی، بلکہ اس علم پر رو رہا ہوں جو میں آپ سے حاصل کرتا تھا"۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا: علم کو بھی نہ روؤ، دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ایسی زمین میں پیدا ہوئے تھے جہاں کوئی علم نہیں تھا، اللہ نے انہی کو علم عطا فرمایا۔ لہٰذا میرے مرنے کے بعد چار افراد کے پاس علم تلاش کرنا: عبداللہ بن مسعودؓ،

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۳۰۱ ج ۳ و حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ص ۲۳۷ ج ۱ و سیر اعلام النبلاء ص ۴۵۶ ج ۱، [2] مجمع الزوائد للہیثمی ص ۳۱۱ ج ۲، رواہ احمد، وقال الہیثمی: "اسمٰعیل بن عبداللہ لم یدرک معاذا"۔

سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن سلامؓ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہم"۔ [1]

بہرکیف! انکی دُعا قبول ہوئی، اور اسی طاعون میں (۱۸ھ میں) آپ نے وفات پائی جبکہ آپ کی عمر ۳۳۔ ۳۴ سال سے زیادہ نہ تھی۔

عقیدت و محبت کے ناقابلِ بیان جذبات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خوش نصیب صحابی کے مزار پر حاضری دیکر جب ہم باہر نکلے تو دیکھا کہ مغرب کی جانب میدانی علاقے کے اُس پار افق پر جو پہاڑی سلسلہ شروع سے ہمارے ساتھ ساتھ چلتا رہا ہے، وہ یہاں پہنچکر بہت قریب آگیا ہے۔ ہمارے رہنما نے بتایا کہ یہاں سے دریائے اُردن کُل ڈیڑھ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اور اس کے مغربی کنارے سے اسرائیل کا مقبوضہ علاقہ شروع ہو گیا ہے۔ حضرت معاذؓ کے مزارِ مبارک کے مُجاور نے بتایا کہ یہ پہاڑ جو مغربی سمت نظر آرہے ہیں نابلس کے پہاڑی سلسلے کا ایک حصہ ہیں، اور ہمارے بالکل سامنے جو پہاڑی ہے اُسے "کواکب الہوا" کہا جاتا ہے۔ ان پہاڑوں پر بہت سی بستیاں ہیں جن میں بعض فلسطینی بھی آباد ہیں، لیکن بہت سا حصہ صیہونی قابضین کے تسلّط میں ہے۔

میں سوچ رہا تھا کہ اغوار کے اس مشرقی علاقے میں شمالاً جنوباً سڑک کی جو پٹی ہے، اس پر تمام تر وہ صحابۂ کرامؓ آرام فرما ہیں جنہوں نے اپنے خُون پسینے سے اُردن، فلسطین اور شام کو رومی سلطنت کے جور و استبداد سے آزاد کرایا تھا، جنہوں نے اس علاقے کو کلمۂ توحید کے انوار سے منور کرنے کے لئے اپنے وطن کو خیرباد کہا، عزیز و اقارب کو چھوڑا، جنگ کی سختیاں برداشت کیں، دُنیا کی عظیم ترین فوجی طاقت سے ٹکر لی، اور بالآخر یہ عظیم ترین طاقت جو اپنے سونے اور لوہے پر مغرور تھی، ان بے سروسامان صحرانشینوں کے عزم و استقامت سے ٹکرا کر پاش پاش ہوئی، یہ خُدامست مجاہدین اپنے مشن کی تکمیل کے بعد پوری طرح سُرخ رُو ہو کر اس علاقے میں آسُودہ ہو گئے ــــ لیکن آج ان کے مزارات سے صرف چند کیلومیٹر کے فاصلے پر اسرائیل نے اپنے غاصبانہ تسلّط کے جھنڈے گاڑے ہوئے ہیں، ہم جو انہی صحابۂ کرامؓ کے ناخلف نام لیوا ہیں، اس سرزمینِ مقدس کو ان دشمنانِ خُدا سے محفوظ بھی نہ رکھ سکے۔ اور ہزار چیخ پکار کے باوجود اب بھی اس کے ہاتھوں اتنے بےبس ہیں کہ وہ ہمارے علاقوں کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور ہمارے پاس اس کی جارحیت کا جواب غم و غصّے کی قراردادوں کے سوا کُچھ نہیں ــــ کیا اس حالت میں ہم ان جلیل القدر صحابۂ کرامؓ کو اپنا مُنہ دِکھانے کے قابل ہیں؟ اس تصوّر سے جسم میں ایک جُھرجُھری سی آگئی، کاش! کہ ایسی جُھرجُھریوں میں ہمارے عمل کی دُنیا میں بھی کوئی تبدیلی لاکر ہمارے دن پھیرنے کی صلاحیت ہوتی۔ لیکن ؎

وصل کی ہوتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

---

[1] سیر اعلام النبلاء ص ۴۵۹، التاریخ الصغیر للبخاری ص ۴۳، ۴۷، مصنف عبدالرزاق، (حدیث نمبر ۲۰۱۶۴)

غم و حسرت اور ندامت کے یہ جذبات جو یہاں پہنچ کر پیدا ہوئے تھے، وہ دیر تک قلب و دماغ پر چھائے رہے، لیکن ہماری گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی شمال کی طرف رواں ہو گئی۔

یہاں سے خاصا طویل فاصلہ طے کر کے ہماری اگلی منزل اردن کا معروف سمندر بحرِ میّت تھی، یہ چھوٹا سا سمندر اپنی تاریخی اور جغرافیائی خصوصیات کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور ہے حضرت والد صاحب قدس سرہٗ جب شام و فلسطین کے دورے پر تشریف لائے تھے تو یہاں سے بھی گذرے تھے، اور ان کی زبانی ہم نے بچپن ہی سے اس کے کچھ حالات سُن رکھے تھے۔ ہمارے ساتھی بھی یہ سمندر دیکھنے کے شائق تھے، چنانچہ ہم عصر کے وقت اس کے کنارے پہنچ گئے۔

یہ چھوٹا سا سمندر کُل ۴۸ میل لمبا اور ۱۰ میل چوڑا ہے، اس کی سطح کا کُل رقبہ ۴۰۵ مربع میل ہے، زیادہ سے زیادہ گہرائی ۱۳۰۰ فیٹ ہے۔ ۱۹۶۷ء سے پہلے اس کا نصف شمالی حصہ مکمل طور پر اردن میں تھا، اور نصف جنوبی حصہ اردن اور اسرائیل کے درمیان بٹا ہوا تھا، ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد اسرائیلی فوجیں پورے مغربی ساحل پر قابض ہو گئی ہیں۔ اور اس کی جغرافیائی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا کسی بڑے سمندر سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اپنے طول و عرض کے لحاظ سے اس کو ایک "جھیل" کہنا زیادہ موزوں ہوگا، لیکن چونکہ اس کا پانی خالص سمندری پانی ہے، بلکہ اس کی نمکیات اور کیمیاوی اجزاء عام سمندروں سے زیادہ ہیں اس لئے اس کو "بحر" یا "بحیرہ" ہی کہا جاتا ہے۔

اس سمندر کی دوسری جغرافیائی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عام سطحِ سمندر سے تیرہ سو فیٹ نیچے ہے، یہاں سے قریب ترین سمندر بحر متوسط (یا بحر روم) کی خلیج عقبہ ہے، لیکن بحرِ میّت اس کی سطح سے ۱۳۰۰ فیٹ نیچے واقع ہے، اور اس طرح یہ کرۂ زمین کا سب سے نچلا حصہ ہے۔ دریائے اردن اسی سمندر میں آکر گرتا ہے، اور آس پاس کی پہاڑی ندیاں بھی اسی میں آکر شامل ہوتی ہیں۔

اب بہت سے جدید محققین کا کہنا یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی وہ قوم جس پر بد اعمالیوں کی وجہ سے عذاب نازل ہوا، اور جس کی بستیوں کا نام بائبل اور تاریخی روایات میں "سدوم اور عمورہ" ذکر کیا گیا ہے، اسی بحرِ میّت کے آس پاس کہیں واقع تھی۔

اگرچہ قدیم مسلمان جغرافیہ نگاروں اور مؤرخین مثلاً علامہ حمویؒ اور بکریؒ وغیرہ نے سدوم اور عمورہ کے حالات بیان کرتے ہوئے بحرِ میّت کا کوئی ذکر نہیں کیا، بلکہ علامہ قزوینیؒ نے اپنی کتاب "آثار البلاد واخبار العباد" میں سدوم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ "آج اس بستی کی جگہ پر سیاہ پتھریلے پتھر نظر آتے ہیں"۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یا تو خود اس جگہ کا مشاہدہ کیا ہے، یا کسی مشاہدہ کرنے والے سے اس کے حالات سُنے ہیں، اس کے باوجود انہوں نے یہ اشارہ تک نہیں دیا کہ اس کے آس پاس "بحرِ میّت" کے نام سے کوئی سمندر واقع ہے۔

لیکن مشہور یہودی مؤرخ جوزیفس (Josephus) نے، جو گذرا ہے، اپنی تاریخ میں یہی لکھا تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں سدوم اور عمورہ "بحرمیت" کے کنارے واقع تھیں۔ غالباً اسی بنیاد پر سنہ ۱۹۲۴ء میں مستشرقین کی ایک جماعت قومِ لوط (علیہ السلام) کی بستیوں کی تحقیق کیلئے نکلی تھی، اور اس نے پورے علاقے کا سروے کرکے یہ حتمی رائے دی تھی کہ ان بستیوں میں سے سدوم، عمورہ اور ذغر بحرمیت کے جنوب مشرقی کنارے پر واقع تھیں، اور باقی بستیاں سمندر کے نیچے آگئی ہیں[1] کہتے ہیں کہ سمندر کے جنوب مشرقی کنارے پر ہی کھدائی کی گئی تو وہاں سے ان بستیوں کے کچھ آثار بھی برآمد ہوئے۔ اسی بنیاد پر آخر دور کے مصری محقق عبدالوہاب النجار نے اپنی رائے یہ ظاہر کی ہے کہ یہ سمندر پیدا ہی اس طرح ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا، اُن کی بستیاں اُلٹ گئیں تو یہاں سمندر کا پانی نکل آیا[2] ورنہ حضرت لوط علیہ السلام سے پہلے یہاں کوئی سمندر موجود نہیں تھا۔

اس رائے کی تائید مندرجۂ ذیل دلائل و قرائن سے ہوتی ہے :۔

(۱) قرآن کریم نے قومِ لوطؑ کی بستیوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے اہل عرب کو یہ یاد دلایا ہے کہ یہ بستیاں اس سڑک پر واقع ہیں جس کے ذریعے تم شام جاتے آتے رہتے ہو، ارشاد ہے :

وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ

اور بلاشبہ یہ بستیاں سیدھے راستے پر واقع ہیں۔

ایک اور جگہ حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام دونوں کی بستیوں کا ایک ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا

وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ

اور بلاشبہ یہ دونوں قومیں واضح راستے پر واقع ہیں۔

لہٰذا ان بستیوں کا محلِ وقوع اسی علاقے میں کہیں ہونا چاہیئے۔

(۲) عبدالوہاب النجار کی یہ رائے کہ یہ سمندر پیدا ہی بستیوں کے اُلٹنے سے ہوا، اس لحاظ سے بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے کہ اس سمندر کا کوئی رابطہ کسی بڑے سمندر سے نہیں ہے، اس لئے کوئی غیر معمولی واقعہ ہی اس سمندر کے ظہور کا سبب ہو سکتا ہے۔

(۳) اس سمندر کا پانی بھی عام سمندروں کے مقابلے میں بہت بھاری ہے، اور اس میں نمکیات بہت زیادہ ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عام بڑے بڑے سمندروں میں چار سے چھ فیصد تک نمکیات ہوتے ہیں، لیکن بحرمیت کے پانی میں نمکیات کا تناسب ۲۳ فیصد سے ۲۵ فیصد تک ہے[3] چنانچہ جو لوگ اس سمندر میں دیر تک غسل کر لیتے ہیں، ان کو اپنے جسم سے ان کیمیاوی اجزا کی چپکاہٹ چھڑانے کیلئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے، اور عام پانی سے ایک آدھ مرتبہ نہا کر آسانی سے یہ اجزا جسم سے نہیں چھوٹتے۔

پانی کی یہ غیر معمولی کیفیت بھی کسی غیر معمولی واقعے کی نشان دہی کرتی ہے۔

---

1. انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مطبوعہ ص ۱۰۰ ج ۷، مقالہ "DEAD SEA"
2. قصص الانبیاء، لعبدالوہاب النجار ص ۱۱۳ مطبوعہ بیروت۔
3. برٹانیکا ۱۹۵۰ء ص ۹۹ ج ۷

(۴) اس سمندر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مچھلی سمیت کوئی جانور زندہ نہیں رہتا، اور نہ کوئی پودا اُگ سکتا ہے، حد یہ ہے کہ جب دریائے اُردن یا دوسرے چشمے اس سمندر میں گرتے ہیں تو بعض اوقات اپنے ساتھ مچھلیاں بہاکر لے آتے ہیں، لیکن یہ مچھلیاں سمندر میں گرتے ہی فوراً مر جاتی ہیں[۱]۔ سائنسی طور پر اس کی توجیہ عموماً یہ کی جاتی ہے کہ یہ اس سمندر کی غیر معمولی نمکیات کا اثر ہے، اور ظاہری طور پر شاید یہی سبب ہو، لیکن باطنی طور پر یہ اس عبرتناک عذاب کے اثرات ہوں تو بعید نہیں جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر نازل ہوا تھا۔

سمندر کی اسی خصوصیت کی بنا پر اس سمندر کو "بحرِ میّت" کہا جاتا ہے، اور اس کا یہ نام یونانی دور سے چلا آتا ہے۔ اہلِ عرب اسکو "بحیرۂ لوط" بھی کہتے رہے ہیں۔

(۵) جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں، بحرِ میّت کا علاقہ دُنیا کا سب سے پست علاقہ ہے، بحرِ میّت کی سطح عام سطح سمندر سے ۱۳۰۰ فیٹ نیچے ہے۔ دُنیا بھر میں سطح سمندر سے اتنا نیچا علاقہ کوئی نہیں ہے، مجھے جب یہ حقیقت معلوم ہوئی تو ذہن فوراً قرآن کریم کی اس آیت کی طرف منتقل ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط علیہ السلام کی بستیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:-

وَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ،

ہم نے اس زمین کے بلند علاقے کو زمین

کا پست علاقہ بنا دیا۔

عام طور سے اس آیت کا مفہوم یہی سمجھا جاتا رہا ہے کہ بستی اُلٹ گئی تو چھتیں زمیں بوس ہو گئیں، لیکن قرآنِ کریم کا معجز بیان شاید اس طرف بھی اشارہ کر رہا ہے کہ صرف بستی کی عمارتیں ہی پست نہیں ہوئیں، بلکہ ان بستیوں کا پورا علاقہ روئے زمین کا پست ترین خطہ بنا دیا گیا۔ چنانچہ بحرِ میّت کے شمال اور شرق کی جانب کے علاقے تو ہم نے بھی دیکھے کہ وہاں میلوں دُور سے زمین کی سطح بتدریج پست ہوتی گئی ہے، زمین کا جو حصہ سطح سمندر کے مساوی ہے، وہاں علامت کے طور پر بورڈ لگا دیا گیا ہے، اس کے بعد ہر تھوڑے فاصلے پر سطح کی پستی کی مقدار بتانے کیلئے جگہ جگہ بورڈ لگے نظر آتے ہیں، یہاں تک کہ پست ترین سطح بحرِ میّت پہنچ کر آتی ہے۔

اللہ اکبر! اس سے ایک طرف قرآنِ کریم کا یہ اعجاز سامنے آتا ہے کہ وہ چودہ سو سال پہلے ایک ایسی جغرافیائی حقیقت کو واضح فرما رہا ہے جو صدیوں کے بعد ماہرین پر منکشف ہوئی، اور بیان بھی اس طرح فرما رہا ہے کہ اُس دور کے لوگوں کو بھی اس بیان کے صاف اور سادہ معنی سمجھنے میں کوئی دُشواری نہیں ہوتی۔ اور دوسری طرف یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس قوم پر عذابِ الٰہی کا یہ پہلو ایسا ہے کہ قیام قیامت تک دیدۂ بینا رکھنے والوں کیلئے سامانِ عبرت بنا رہے گا۔ بستیاں اُلٹ گئیں، آبادی

---

[۱] برٹانیکا، میکروپیڈیا مطبوعہ ۱۹۸۱ء ص ۵۲۵ ج ۵ کالم ۲۔

بے نشان ہو گئی، ایک عجوبۂ روزگار سمندر اُبل آیا، اور قیامت تک کیلئے یہ زمین دنیا کی پست ترین زمین بن کر رہ گئی:

فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ،

پس یہ ہیں ان کے رہنے کے مقامات جو ان کے بعد آباد نہیں ہوئے مگر بہت کم، اور ہم ہی ان کے وارث تھے۔

ہزار ہا سال پہلے حضرت لوط علیہ السلام نے اسی سرزمین پر کوہِ استقامت بن کر اپنی اس بے ہنگم قوم کی اصلاح کی کوشش فرمائی تھی جو انسانیت کی ہر قدر کو نوچ کر اپنی کمینگی پر مگن تھی۔ یہ قوم اپنے غیر فطری جنسی عمل میں تو دنیا بھر میں بدنام ہے، یہاں تک کہ اس گھناؤنے فعل کا نام ہی اس قوم سے منسوب ہو گیا، لیکن قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ قوم رہزنی کی لت میں بھی مبتلا تھی، اور کوئی اجنبی مسافر ان کے یہاں آجائے تو اس کی جان، مال اور آبرو تینوں خطرے میں پڑ جاتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کی اس اخلاقی گراوٹ اور پستی کو قیامت تک کیلئے یہاں ایک محسوس شکل دیدی گئی ہے کہ یہ علاقہ دنیا کا سب سے پست علاقہ بنا دیا گیا ہے۔

یہ جگہ بڑی عبرت کی جگہ ہے، لیکن یہ دیکھ کر دل لرزتا ہے کہ اسے ایک سمندری تفریح گاہ بنا لیا گیا ہے، ریسٹورنٹ کی حد تک تو شاید بات اتنی ناگوار نہ تھی، لیکن سیاحت کی ہمت افزائی نے یہاں وہ فضا پیدا کر دی ہے جو یورپ کی ساحلی تفریح گاہوں پر عام ہے، خاص طور پر مغربی سیاحوں کے ہجوم اور اُن کو حکومت کی طرف سے ملی ہوئی بے روک ٹوک آزادی نے اُسے بے حیائی کا ایک مرکز بنا دیا ہے، — اور یہ دیکھ کر دل دُکھتا ہی رہا کہ جو جگہ فحاشی کے خلاف ذہن تیار کرنے کیلئے عبرت کا بہترین پیغام تھی، وہیں پر بےحیائی کے ایسے مظاہرے ہوتے ہیں کہ شرافت منہ چھپا کر رہ جائے۔

ہم یہاں پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا، بلکہ تنگ ہونے کے قریب تھا، تلاش کے بعد ایک "جائے عافیت" دریافت کرکے جماعت سے نماز ادا کی، نماز کے بعد سمندر کے کنارے تک پہنچے، بلاشبہ منظر بڑا حسین تھا، سمندر کی نیلگوں موجوں کے اُس پار فلسطین کے پہاڑ بڑے خوبصورت معلوم ہو رہے تھے، لیکن دل کہہ رہا تھا کہ یہ منظر کے حُسن سے لطف لینے سے زیادہ ڈرنے، خوف کھانے اور عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے۔

البتہ یہاں کھڑے ہونے کی کشش ایک اور وجہ سے تھی۔ ملک افضل صاحب نے بتایا تھا کہ مغرب میں سمندر کے پار فلسطین کے جو پہاڑ یہاں کھڑے ہو کر نظر آتے ہیں، انہی میں بیت المقدس واقع ہے، جو یہاں سے ۱۲-۱۵ میل سے زیادہ دُور نہیں ہے، چنانچہ اگر مطلع صاف ہو تو بعض اوقات انہی پہاڑوں کے کسی درمیانی خلا سے مسجدِ اقصیٰ کے مینارے بھی نظر آجاتے ہیں۔

مسجدِ اقصیٰ کی ایک جھلک — دُور ہی سے سہی — دیکھنے کے شوق نے دیر تک یہاں کھڑا رکھا

لیکن مغرب کی طرف کے پہاڑ دُھند کی ہلکی ہلکی تہہ میں لپٹے ہوئے تھے' اس لئے بہت سے زاویے بدلنے کے باوجود منائے نظر نہیں آسکے ۔۔ ایسا محسوس ہوا کہ گویا یہ مقدس منائے نہ جانے کب سے اُمت مسلمہ کو فریاد کیلئے بلاتے رہے ہیں، لیکن جب کوئی ایوبی آگے نہ بڑھ سکا تو وہ روٹھ کر روپوش ہوگئے، اب ہم جیسے گفتار کے غازیوں کو وہ اپنے چہرے کی ایک جھلک دکھانے کیلئے بھی تیار نہیں۔

اس تصور سے دل پر ایک چوٹ سی لگی ۔۔ کیا نوے کروڑ مسلمانوں پر مشتمل یہ عالم اسلام اپنے قبلۂ اول سے مستقل طور پر صرفِ نظر کرلیگا؟ کیا محض غم اور غصے کی قراردادوں سے قبلۂ اول کا حق ادا ہوجائے گا؟ کیا ہماری صفوں سے اب کوئی صلاح الدین ایوبی نہیں اُٹھ سکے گا؟ کیا صیہونی استعمار کا اژدھا ہمیں ایک ایک کرکے اسی طرح نگلتا رہیگا؟ ۔۔ جواب تو ان سارے سوالات کا ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ

ے فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

لیکن اس کو کیا کیجئے کہ دشمن کے جبڑوں میں بیٹھ کر بھی ہمیں "فضائے بدر" کے بجائے "مونالیزا" کی فضا پیدا کرنے کا شوق کھائے جارہا ہے۔

اسی سوال و جواب کی پُردرد اُدھیڑ بُن میں سامنے کے پہاڑوں کے پیچھے سورج غروب ہوگیا، ہم نے مغرب کی نماز اسی ساحل پر ادا کی، اور واپس عمّان کیلئے روانہ ہوگئے۔ طویل فاصلہ طے کرکے جب عمّان کے پہاڑوں کے قریب پہنچے تو موسلادھار بارش شروع ہوگئی، گاڑی کو یکے بعد دیگرے کئی پہاڑ طے کرنے تھے۔ باہر ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، کار کی ہیڈ لائٹس کے سامنے بھی بارش کے پردے حائل ہوگئے تھے، پُرخطر پہاڑی راستوں پر بارش کی وجہ سے راستہ دیکھنا دُشوار ہورہا تھا، اور اگر کچھ نظر آئے بھی تو ہم جیسے اجنبیوں کیلئے راستے کا سمجھنا ناممکن تھا، ایک موقع پر پہنچکر کم از کم مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ہم بالکل غلط رُخ پر جارہے ہیں، لیکن بحمداللہ ملک افضل صاحب راستوں کے نشیب و فراز سے پوری طرح واقف تھے، انہیں ٹوک کر اپنا اجتہاد چلانا حماقت کی بات تھی اس لئے چُپ ہوکر رہ گیا، چنانچہ وہ اندھیری رات اور پُرشور بارش میں بھی اعتماد و اطمینان سے راستہ بتاتے رہے، اور عطاء الرحمٰن صاحب ان پُرخطر راستوں پر بڑی احتیاط اور مہارت سے مناسب رفتار کے ساتھ گاڑی چلاتے رہے۔ نتیجہ یہ کہ بحمداللہ رات کے نو بجے ہم بعافیت تمام اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔ سبق یہ ملا کہ رہنما نشیب و فراز سے واقف اور ڈرائیور ماہر و محتاط ہو تو تاریک سے تاریک رات میں پُرخطر سے پُرخطر راستہ بھی اطمینان سے طے ہوجاتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ انسان ایسے میں اپنی عقل لڑانے کے بجائے اپنے آپ کو ایسے رہنما اور ایسے ڈرائیور کے حوالے کردے، ۔۔ بات تو سیدھی اور صاف ہے، لیکن یہی بات علماءِ فقہ اور مشائخ طریقت کہتے ہیں تو آجکل ان پر جمود، اندھی تقلید اور شخصیت پرستی کے طعنوں کی بوچھاڑ کردی جاتی ہے۔

(جاری ہے)

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحبؒ

سوال :- میرا ارادہ بھی مرید ہونے کا ہے - مگر میں پہلے کچھ معلومات کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں - ذرا آپ یہ بتائیں کہ مرید کسے کہتے ہیں ؟

جواب :- جیسے تم ہو یعنی تمہارا ارادہ ہے بس اس ارادہ کرنے والے کو مرید کہتے ہیں ایک ذرا ایک قدم اور آ جاؤ - جو شخص اپنی اصلاح کرانے کا ارادہ کرلیتا ہے اور کسی اچھے نیک آدمی سے اپنی اصلاح کرانے لگ جاتا ہے بس اسی کو مرید کہتے ہیں -

سوال :- کیا اصلاح نفس قرآن و حدیث سے ثابت ہے ؟

جواب :- جی ہاں اس آیت کریمہ پر غور کریں - قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا اور ایک آیت یہ بھی ہے یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ - اصلاح کے بعد ہی قلب سلیم ہوتا ہے -

سوال :- سب سے پہلے کیا کام کرنا ہوگا ؟

جواب :- اول توبہ کریں - جیسا کہ اس کا قاعدہ ہے یہ آپ کو آپ کا مصلح بتلائے گا -

سوال :- یہ مصلح کون ہے - یہ وہ ماہر ہے جو کسی کا مُجاز ہو - سنّت کا متبع ہو - جس سے آپ بیعت کریں گے اور اس کے ہاتھ میں اس طرح اپنے آپ کو سونپ دینا جیسے بیمار اپنے آپ کو معالج کے ہاتھ سونپ دیتا ہے -

سوال :- پھر کس سے بیعت ہو جاؤں ؟

جواب :- جس سے آپ کو مناسبت ہو -

سوال : مناسبت کا مطلب کیا ہے ؟

جواب :- مناسبت کا مطلب یہ ہے کہ مرید کو اپنے شیخ کی سب باتیں پسند آئیں اور شیخ کو بھی مرید سے محبت ہو مرید کو اپنے شیخ کے کسی قول و فعل پر دل کے اندر اعتراض نہ آئے گو عقلی ہی ہی۔ اس مناسبت کے بغیر کام نہیں چلتا۔

سوال :- اچھا بیعت کی حقیقت کیا ہے؟

جواب :- دونوں معاہدہ کرتے ہیں اور ہاتھ میں ہاتھ دیکر یہ معاہدہ قوی ہو جاتا ہے۔ معاہدہ یہ کہ شیخ صحیح تلقین کرنے کا اور مرید بے چوں و چرا اتباع کرنے کا وعدہ کرلیتا ہے۔

سوال : پھر بیعت ہو کر کیا کرنا ہوگا۔؟

جواب :- یہی ارادت۔ ریاضت خواہ اجمالی یا تفصیلی۔ اذکار۔ اشغال۔ مراقبات۔ احوال۔

سوال :- ارادت کسے کہتے ہیں ؟

جواب :- اپنی اصلاح کے بندوبست میں لگ جانا۔

سوال :- اصلاح کسے کہتے ہیں ؟

جواب :- اصلاح یہ ہے کہ اوصافِ حمیدہ اپنے اندر پیدا کرے اور اوصافِ مذمومہ دور کرے اسی کو تحلیہ اور تخلیہ کہتے ہیں۔ ان دونوں باتوں یعنی تحلیہ و تخلیہ کے حصول میں لگ جانے کا نام ریاضت ہے۔ اس ریاضت کی دو قسمیں ہیں ایک اجمالی دوسری تفصیلی۔ ریاضت اجمالی یہ ہے کہ ان چار باتوں کو اختیار کرے۔ قلتِ کلام اور قلتِ طعام قلت منام اور قلت الاختلاط مع الانام۔ مگر متاخرین نے ان میں سے دو باتوں کو خارج کردیا ہے کہ اگر حالات اجازت نہ دیں تو قلت طعام و منام میں سعی نہ کرے صرف دو باتوں پر زور دے ایک تو کم بولنا دوسری غیر ضروری تعلقات کو ختم کردینا۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ بلا ضرورت نہ بات کریں اور نہ لوگوں سے زیادہ میل ملاپ رکھیں۔

سوال :- اچھا تفصیلی ریاضت کیا ہے ؟

جواب :- اچھے اخلاق پیدا کرے مثلاً اخلاص۔ تواضع۔ حب فی اللہ۔ شکر۔ صبر۔ رضا۔ تفویض۔ توکل۔ خوف و رجا وغیرہ یہ اخلاق اپنے اندر پیدا کرلینا ان ہی کو مقامات کہتے ہیں۔ اور اخلاق مذمومہ مثلاً کبر۔ نخوت۔ عجب۔ حسد کینہ۔ حب جاہ۔ حب مال۔ حب دُنیا۔ خود بینی۔ خود رائی وغیرہ کو دور کرنا۔ یہ سب نصوص سے ثابت ہیں اور امور اختیاریہ ہیں ان کے زائل کرنے کا نام تخلیہ ہے۔

ایک مسئلہ۔ جب نفس میں معصیت کا داعی موجود ہے تو اس کی مخالفت کرنا واجب ہے اور اس مخالفتِ نفس کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ اس مجاہدے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اختیاری دوسرا اضطراری۔ مجاہدہ اختیاریہ یہ ہے کہ طبیعت کے جو اقتضاءات یقیناً مذموم اور ناجائز ہیں ان سے رکنا اور جو اقتضاءات محمود ہیں جیسے نماز روزہ ان کا بجالانا ضروری ہے اور دونوں طرف خوب نفس سے مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ اور جو اقتضاءات نہ محمود ہیں نہ مذموم ہیں بلکہ مباح ہیں مثلاً زیادہ کھانا۔ زیادہ سونا۔ عمدہ لباس میں مشغول ہونا۔ زیادہ باتیں کرنا۔ زیادہ ملنا جلنا۔ ان میں تقلیل کرے اور نفس سے اس قدر لڑائی کرے کہ وہ صحیح روش پر آجائے ——— دوسرا مجاہدہ اضطراریہ ہوتا ہے جسے آزمائش کرنا کہتے ہیں ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات اس آزمائش پر وہ انعام واکرام دیتے ہیں مگر صبر اور ضبط نفس یہی مجاہدہ ہے۔

اس مجاہدۂ اضطراری میں جلدی فائدہ ہوتا ہے کہ ساری شیخی وکبر ختم ہوکر عاجزی اور فنا کی کیفیت آجاتی ہے لیکن انوار وتجلیات مجاہدہ اختیاریہ میں زیادہ ہوتے ہیں ۔

سوال :- مجاہدہ کا آسان طریقہ کیا ہے ؟

جواب :- ایک دفعہ دل بھر کر ماضی کے معاصی پر توبہ کرے اور مستقبل کے لئے عزم کرے کہ اب نہیں کروں گا پھر ماضی ومستقبل دونوں کو چھوڑ کر بس اللہ تعالیٰ کا دھیان جما لے ۔

امر اختیاری میں ہمت سے کام لے اور غیر اختیاری کا فکر نہ کرے کوتاہی ہو جائے تو استغفار کرے ۔ رضائے الٰہی کو اپنا مقصود سمجھے بس یونہی چلتا رہے اور حق تعالیٰ سے آسانی کی دعا کرتا رہے کہ آسانی کی توفیق اور آخرت میں جنت عطا فرمائے دوزخ سے نجات دیدے ۔ اگر کوئی محمود حالت پیش آئے شکر کرے ۔ اپنا کمال نہ سمجھے اور نہ اس کے باقی رہنے کی تمنا کرے اور رخصت ہو جائے تو غم نہ کرے ۔ وساوس کی طرف التفات ہی نہ کرے ۔ اپنے اعمال کو عطائے حق سے بڑھ کر نہ سمجھے ۔ رضائے حق کا طالب اور اس کی ناراضگی سے ترساں رہے ۔ احوال کے پیچھے نہ پڑے ۔ بس جی یہی سلوک ہے ۔

بوستان میں حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے عید آئی اور میرے والد صاحب مجھ کو عید کی نماز کے لئے عید گاہ میں لے گئے وہاں میں نے بچوں کو دیکھا کہ خوب کھیل رہے ہیں میں بھی بچہ تھا نگاہ بچا کر وہیں پہنچ گیا اور کھیل میں مشغول ہوگیا ۔ تھوڑی دیر میں کھیل ختم ہوگیا ۔ دنیا کی زندگی بھی ایک کھیل کود کی طرح ہے (انما الحیوۃ الدنیا لھو ولعب) ۔ کھیل ختم ہوگیا اور اباجی گم ہوگئے ۔ اب اباجی کی بڑی (کھیل میں کب ہوش آتا ہے کھیل ختم ہو جائے تب ہی آنکھ کھلتی ہے) میں چیخنے چلانے لگا اور رونے لگا ۔ اچانک میرے والد نے میرا کان پکڑ کر مروڑا اور کہنے لگے ۔ ارے شوخ تجھ کو کتنی بار سمجھایا تھا کہ میرا ہاتھ نہ چھوڑنا ۔ ہاتھ چھوڑ کر حیران پریشان ہوا ۔

بہ تنہا نداند شدن طفل خرد   کہ مشکل بود راہ نادیدہ برد

چھوٹا بچہ اکیلا کیسے منزل پر پہنچیگا جو راستہ اس نے نہیں دیکھا ہے اس پر چلنا دشوار ہے ۔ اسی طرح تو اے نیک مرد راہ شریعت سے ناواقف ہے اگر چلنا ہے تو کسی راہ جاننے والے کا ہاتھ پکڑ اور بڑوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑدے ورنہ اپنی عزت سے ہاتھ دھو ڈالیگا اور پیٹنے گا الگ ۔

دوسری حکایت یہ لکھی ہے کہ ایک شخص مٹی گارے میں بنا ہوا مسجد کے اندر آگیا تو کسی نے اس کو دھمکایا کہ تیرے ہاتھ ہلاک ہو جائیں ۔ ارے ناپاک آدمی پاک جگہ میں نہ جا ۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے خیال آیا کہ جنت بھی پاک جگہ ہے وہاں جانا ہے تو پاک ہوجا ۔ گناہوں کے میل کچیل کو توبہ کے صابن سے صاف کرلے ۔ ورنہ دوزخ کی آگ کی بھٹی سے میل دور کیا جائے گا کیونکہ میلا آدمی جنت میں جانے کے لائق نہیں ہے ۔ ذلت کی گرد سے دامن نہ دھو ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اوپر سے نہر بند کر دی جائے اور دامن زیادہ گرد آلودہ رہ جائے ۔

دگر دیر شد گرم رو باش وچست   ز دیر آمدن غم ندارد درست

اگر دیر ہو گئی ہے تو ذرا چست و چالاک ہو کر جلدی جلدی چل۔ صحیح بات اگر دیر سے بھی حاصل ہو تو غم نہ کر۔ ابھی موت نے تیری خواہش کا ہاتھ نہیں باندھا ہے۔ لہٰذا اپنا ہاتھ خدا کے دربار میں اٹھا اس سے پہلے کہ ہاتھ اٹھانے سے عاجز ہو جائے۔

مخسپ اے گنہ کردہ خفتہ خیز　　بعذر گنہ آب چشمے بریز

اے گناہ کر کے سو جانے والے اٹھ جا۔ نہ سو۔ان گناہ گار آنکھوں پر ندامت کے آنسوؤں کا پانی بہا۔

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں۔

ایک شخص نے مکر و فریب کر کے کسی کا مال کھایا۔ جب کھا پی کر اٹھنے لگا تو ابلیس پر لعنت کی۔ کہ کم بخت کسی کسی کا مال کھلا دیتا ہے۔ راستے میں اسے شیطان ملا اور کہنے لگا کہ تو بڑا بے وقوف ہے۔ جب پوشیدہ طور سے میری تیری دوستی ہے تو ظاہراً زبان سے لڑائی کی بات کیوں کرتا ہے۔

افسوس ہے فرشتے تیرے لئے کیا لکھ رہے ہیں اور تو شیطان کو لعنت کر رہا ہے تو بڑا بے وقوف ہے۔ تو یہ سمجھتا ہے کہ شیطان کو لعنت کر دینے سے وہ پاک فرشتے تیری ناپاک بات نہیں لکھیں گے۔ پاگل ہوا ہے۔

ے　اس قدر آشفتگیٔ جسم و جاں ہے آجکل　　ہر نفس دل کے لئے بارِ گراں ہے آجکل

پریشانی میں ایسا ہی حال ہوا کرتا ہے　　سانس بھی دل کے لئے بارِ گراں ہو جاتا ہے

ے　دیکھتا ہوں ان کی برگشتہ نگاہوں کا اثر　　ہر نگاہِ مہرباں نامہرباں ہے آجکل

جب اللہ میاں ناراض ہو جاتے ہیں تو پھر جس مہربان سے بات کرو اکھڑا اکھڑا ہو جاتا ہے سیدھے دل سے بات کرنا پسند ہی نہیں کرتا۔ لہٰذا ان ہی کو راضی کرو۔

ے　حسرتیں صبر آزما ناکامیاں ہمت شکن　　کچھ عجب مشکل میں جانِ ناتواں ہے آجکل

وہ عجز و انکساری پیدا کرنا چاہتے ہیں تم بھی پہلوان نہ بنو۔ تسلیم و رضا کا کوچہ لو اور اسی میں بیٹھ رہو۔

ے　میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگیٔ صبح و شام　　عمرِ فسانہ ساز گزرتی چلی گئی

دنیا ایسی نگاہوں میں سجا دی گئی ہے کہ اپنی طرف کھینچے لیتی ہے ہر صبح اور ہر شام رنگ برنگ ہو کر آتی ہے اور ہر دن ایک افسانہ بنتا رہا۔ ان افسانوں میں زندگی آخر ہو گئی۔ اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیا چگ گئی کھیت۔

ے　نہ ہمدرد کسی کا ہے نہ پریشاں کوئی　　کیا کرے لا کے زباں پر غمِ پنہاں کوئی

ان دنیا والوں کو غم کی کہانی کہنا ہی بے سود ہے۔ نمک چھڑکیں گے مرہم نہیں لگائیں گے۔ یا زبانی بات کر لی اور غائب۔ رب ہی سے کہیے کہ کبھی ہاتھ کو نہ ہٹائیں گے۔

ے　غم نہیں آج جو یوں بے سر و ساماں ہوں میں　　ہو ہی جائیگا کبھی غیب سے ساماں کوئی

ہاں دنیا امید پر قائم ہے۔ ناامیدی کی کیا بات ہے امید رکھو اور پکی امید رکھو۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

مولانا صابر دانش صاحب

(٣)

پیر حیدر علی شاہؒ کے والدؒ کی وصیت:

پیر حیدر علی شاہ کی عمر ابھی سترہ برس ہی کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ وفات سے پہلے انہوں نے اپنے ہونہار فرزند کو وصیت فرمائی کہ کسی کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دینا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا اور اقربا، اور رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آنا۔ [1]

سہروردیؒ کی وصیت:

سہروردی نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ: اے میرے پیارے بیٹے! اس شخص میں عقل نہیں جس میں بُردباری نہیں، اور اس شخص میں مروّت نہیں جس میں سچائی کا مادہ نہو اور اس شخص میں علم نہیں جس میں رغبت نہو، اور اس کے لئے عزت نہیں جس میں حیا نہو، اور علم سے زیادہ فائدہ مند کوئی خزانہ نہیں، اور بردباری سے زیادہ نفع بخش کوئی مال نہیں اور کوئی حسب و نسب ادب سے بڑھ کر نہیں اور کوئی ساتھی عقل سے زیادہ صاف ستھرا ہے، اور نہ حق سے زیادہ واضح کوئی دلیل ہے، اور نہ توبہ سے زیادہ کامل کوئی سفارش کرنے والا ہے، اور نہ قرض سے بھاری کوئی بوجھ ہے، اور نہ کوئی بُرائی جھوٹ سے بُری ہے، اور نہ جہالت سے زیادہ ضرر رساں کوئی

---

[1] تذکرہ صوفیائے پنجاب، اعجاز الحق قدوسی ص ۴۰۸۔ مطبوعہ سلمان اکیڈمی کراچی، [2] معروف عرب شاعر۔

تنگدستی ہے، اور نہ لالچ سے زیادہ ذلیل کوئی ذلت ہے۔ ۱

ذوالاصبع العدوانی کی وصایا:

آپ کی موت کا وقت جب قریب آگیا تو آپ نے اپنے فرزند اُسید کو بلاکر کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے! بلاشبہ تیرا والد قریب المرگ ہوگیا ہے، اور زندگی سے تنگ آچکا ہے، میں تم کو چند باتوں کی نصیحت کرتا ہوں، اگر تم نے ان پر عمل کیا تو تم اپنی قوم میں اس مقام پر پہنچ جاؤ گے جس پر میں فائز ہوں، میری یہ باتیں غور سے سُنو۔

اپنی قوم سے اچھا معاملہ رکھنا وہ تم سے محبت کریں گے، اور ان سے تواضع سے پیش آنا وہ تم کو بلند کردیں گے، اور ان سے خندہ پیشانی سے ملنا وہ تمہاری اطاعت کریں گے، اور ان پر کسی کو ترجیح و فوقیت نہ دینا وہ تمہیں سردار بنالیں گے، ان کے بڑوں کی طرح، چھوٹوں کی بھی عزت کرنا، ان کے بڑے تمہاری عزت کریں گے، اور ان کے چھوٹے تمہاری محبت کی وجہ سے بڑے ہوجائیں گے اور اپنے مال میں سخاوت و فیاضی سے کام لینا، اور اپنے اہل خانہ کی حفاظت کرتے رہنا، اور اپنے پڑوسی کا اعزاز و اکرام کرنا، اور فریادرسی میں جلدی کرنا، پھر ایک ایسا وقت آئیگا، کہ کوئی تجھ سے دشمنی نہ رکھے گا، اور ہمیشہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے سوال سے بھی بچتے رہنا، پس اس طرح تمہاری سرداری بام عروج کو پہنچ جائیگی۔ ۲

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی والدہ کی نصیحت:

خود حضرت موصوفؒ اپنی زبانی بیان فرماتے ہیں کہ جب میں تحصیل علم کے لئے گھر سے باہر سفر پر جانے لگا تو میری والدہ نے مجھے چالیس دینار سفر کے اخراجات کے لئے دیئے، اور اس کے ساتھ یہ تاکید فرمائی کہ بیٹا تم علم حاصل کرنے جارہے ہو، لیکن میری اس نصیحت پر کاربند رہنا، ہمیشہ سچ بولنا، خواہ سچ بولنے سے تمہیں تکلیف اٹھانا پڑے۔ ۳

۲۔ جس چیز کے جاننے کی ضرورت ہو اس کے جاننے سے جاہل مت رہنا (یعنی اس کے جاننے کی فکر کرنا اور جہالت پر مت ٹھہرنا)۔

۳۔ جب تک نہایت ہی بنیادی حاجت نہ ہو کسی شخص کے ساتھ میل جول مت رکھنا۔

۴۔ دوسروں کے لئے اپنے سے انصاف کرنا، اور بغیر مجبوری کے اپنے نفس کیلئے انصاف کا خواہاں مت ہونا، (مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے حقوق تو اپنے نفس سے پورے

---

۱ مختارات الادب، زیدان بدران، ص ۸، ۲ حوالہ بالا، ص ۱۵،

۳ ملخص بچوں کی نگہداشت ص ۱۴۷، مشہور واقعہ ہے کہ آپ کی حق گوئی کی وجہ سے ڈاکوؤں کا سردار بڑا متاثر ہوا اور اس نے ڈاکہ زنی سے ہمیشہ کیلئے توبہ کرلی۔

دلاؤ اور اس سلسلہ میں انصاف ہاتھ سے نہ جانے دو، اگر اپنا کوئی حق کسی پر ہو اور وہ بے انصافی کر رہا ہو کہ پورا حق دینے سے یا بالکل دینے سے منکر ہو تو اس بارے میں انصاف کی فکر میں مت لگنا، اپنا حق چھوڑ کر ذہن فارغ کر لینا، ہاں اگر مجبوری ہو تو وہ دوسری بات ہے۔

۵۔ کسی مسلمان سے اور ذمی سے دشمنی مت کرنا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے جو تم کو مال دیا ہے اور جو (دنیاوی) مرتبہ عطا فرمایا ہے، اس پر قناعت کر لینا۔

۷۔ جو کچھ (مال وغیرہ) تمہارے قبضہ میں ہو اس میں حسنِ تدبیر اختیار کرنا (سوچ سمجھ کر چلنا تاکہ) لوگوں سے بے نیاز رہ سکو۔

۸۔ لوگوں کی نظر میں اپنے کو بے وزن مت بنانا۔

۹۔ فضول باتوں اور فضول کاموں میں پڑنے سے اپنے نفس کو علیحدہ رکھنا۔

۱۰۔ لوگوں سے ملاقات کے وقت خود پہلے سلام کرنا (اور) بات کرنے میں خوبی اختیار کرنا، اہلِ خیر سے محبت سے پیش آنا، اور اہلِ شر سے مدارت کرنا (ان کی دلداری رکھنا تاکہ کوئی تکلیف نہ پہنچائے)۔

۱۱۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنا۔

سلطان غیاث الدین بلبن کی وصایا:

سلطان بلبن اپنے بیٹوں سے ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ سلطان شمس الدین التمش فرماتے تھے کہ میں نے معز الدین بن بہاؤ الدین سام کی محفل میں دو بار سید مبارک غزنوی سے سنا ہے کہ بادشاہوں کے اکثر افعال شرک کی حدود کو چھو لیتے ہیں اور وہ بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جو سنتِ نبوی کے خلاف ہوتے ہیں، لیکن وہ اس وقت اور بھی زیادہ گنہ گار ہو جاتے ہیں، جبکہ وہ ان چار باتوں پر عمل نہیں کرتے، وہ چار باتیں یہ ہیں:

(۱) بادشاہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی شان و شوکت کے رعب داب کو مناسب موقع پر استعمال کرے اور خدا ترسی اور خلقِ خدا کی بھلائی ہمیشہ اس کے پیشِ نظر رہے۔

(۲) بادشاہ کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے، کہ اس کے ملک میں بدکاری مروج نہ ہو، فاسقوں اور بے غیرتوں کو ہمیشہ رسوا کرنا چاہیئے۔

(۳) امور سلطنت کو عقلمند اور مہذب لوگوں کے سپرد کرنا چاہیئے، خلقِ خدا پر جن کو حاکم مقرر کیا جائے وہ دیانتدار اور خدا ترس ہونے چاہئیں، بدعقیدہ لوگوں کو ملک میں پنپنے نہیں دینا چاہیئے، کیونکہ ایسے لوگ رعایا کو غلط راستے پر ڈال دیتے ہیں۔

(۴) چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ بادشاہ کو چاہیئے کہ وہ انصاف سے پورا پورا کام لے، ماتحتوں کی کارگزاری کا بنظرِ عدل جائزہ لیتا رہے تاکہ ملک سے ظلم و ستم کا نشان تک مٹ جائے۔

بس تم سب جو میرے جگر گوشے ہو یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم میں سے کسی نے عاجز اور لاچار کو

ستایا تو میں ظالم کو اس کے ظلم کی پوری پوری سزا دوں گا۔ [1]

جب بلبن لکھنوتی سے دہلی کیلئے روانہ ہونے لگا تو اس نے اپنے بیٹے بغرا خان کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے چند (طوالت کے باعث) درج ذیل ہیں:

(۱) ملک کی مہمات کو اپنے خیر خواہوں کے مشورہ کے بغیر سر نہ کیا جائے، سلطنت کے احکام جاری کرتے ہوئے اپنی نفسانی خواہشوں کو پیش نظر رکھا جائے، حق کو اپنے نفس پر قربان نہ کیا جائے۔

(۲) اپنے خدمت گاروں اور غلاموں کو جو حکمرانی کا لازمہ ہیں، بے التفاتی کا شکار نہ کرنا چاہیئے، ان کے حالات سے پوری طرح باخبر رہنا چاہیئے، ان کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے اور جو کوئی اس کے خلاف ترغیب دے تو اسے اپنا دشمن سمجھ کر اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔

(۳) ہمیشہ ایسے شخص کی حمایت کی جائے جس نے دُنیا سے منہ موڑ کر خدا کی ذات پر بھروسہ کیا ہو۔ [2]

سلطان بلبن نے اپنے بیٹے شہزادہ محمد سلطان (خان شہید) کو تنہائی میں بلا کر اس سے کہا: میری زندگی کا بہت بڑا حصہ بادشاہت اور حکومت کے کاموں میں گذرا ہے، اس وجہ سے میرے تجربات کا دائرہ بہت وسیع ہے میں چاہتا ہوں کہ تجھے کچھ ایسی نصیحتیں کروں جن پر عمل کرنا ہر حکمراں کا فرض ہے، یہ نصیحتیں جو میرے بعد تیرے بہت کام آئیں گی یہ ہیں:

(۱) تم اپنی عظمت اور حکومت کی شان کو پوری توجہ کے ساتھ برقرار رکھنا، اپنی نفسانی خواہشوں کی تکمیل کے لئے بادشاہی قوت کو کبھی کام میں نہ لانا، تجھے جو کام بھی کرنا ہو وہ خدا کے لئے کرنا، اور شاہی خزانوں اور دفینوں کو جو دراصل عطیۂ خداوندی ہیں ہمیشہ اچھے کاموں میں صَرف کرنا، اور خلقِ خدا کی بھلائی کی طرف توجہ کرنا، دین کے دشمنوں کو پنپنے نہ دینا اور ان کی سرکوبی بڑی اچھی طرح کرنا تاکہ وہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہیں۔

(۲) جب خداوند تعالیٰ تجھے مخلوق کی سرداری یعنی بادشاہت عطا کرے، تو اس منصب کو آسان نہ سمجھنا، فرائضِ حکمرانی کو خدا کی نیابت سمجھنا اور یہ بہت مشکل چیز ہیں تم اس پاک اور بڑے کام کو ناشائستہ حرکات اور ناپسندیدہ عادات کی گندگی سے آلودہ نہ کرنا، کمینے اور رذیل لوگوں کی صحبت سے دُور بھاگنا۔

(۳) تم اپنے ملک کے حالات اور اپنے مقرر کردہ حاکموں کے افعال سے پوری طرح باخبر رہنا، اور ان حاکموں کو ہمیشہ یہ تاکید کرنا کہ وہ مستحسن افعال اور اعلیٰ عادات اختیار کریں۔

(۴) ہمیشہ متقی اور پرہیزگار لوگوں کو قاضی اور حاکم مقرر کرنا تاکہ رعایا انصاف اور دینداری کی برکتوں سے مستفید ہوتی رہے۔

---

[1] تاریخ فرشتہ، ج ۱ ص ۲۸۲، مطبوعہ شیخ غلام علی، کراچی۔

[2] حوالہ بالا: ص ۲۹۶۔

(۵) جاہ و حشمت اور شاہی رعب داب اور بادشاہت کے تمام آداب و لوازمات کا خلوت و جلوت میں ہر جگہ خیال رکھنا اور کسی وقت بھی عیش کوشی اور بیکار کاموں میں مصروف نہ ہونا۔

(۶) پاک طینت اور عالی ہمت لوگوں کو ہمیشہ انعام و اکرام سے مالا مال کرنا، ان کی دلجوئی، اور خاطر داری پوری طرح کرنا، عقلمندوں اور اہلِ ہنر کی مدد اور ہمت افزائی کرتے رہنا، لالچی اور بے رحم لوگوں سے کبھی کسی بھلائی کی توقع نہ رکھنا، کیونکہ ملک اور مذہب کی بہتری اسی میں ہے کہ یہ لوگ سلطنت کے انتظامی امور سے علیحدہ رہیں۔

(۷) عالی ہمتی اور بادشاہت دونوں ایک دوسرے کیلئے ناگزیر ہیں، دنیا کے تمام عقلمندوں اور دانشوروں نے ان دونوں کو جڑواں بھائیوں سے تشبیہ دی ہے اور یہ کہا ہے کہ بادشاہ کی ہمت کو بھی تمام ہمتوں کا بادشاہ ہونا چاہیئے، کیونکہ اگر بادشاہ کی ہمت اور عام لوگوں کی ہمت میں کوئی فرق نہ ہو تو پھر بادشاہ اور عام لوگوں میں بھی کوئی فرق باقی نہ رہے گا، بے ہمتی اور بادشاہت کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔

(۸) جس شخص کی تم ایک بار عزت کر دو اسے چھوٹی سی خطا پر کبھی ذلیل نہ کرنا، اپنے ہمدردوں اور مخلصوں کو سوائے کسی ملکی ضرورت کے کبھی رنجیدہ نہ کرنا، اور اپنے سلوک سے دشمنوں کو دوست بنانے کی کوشش نہ کرنا، اگر کسی دشمن کو سیاست کے شکنجے میں گرفتار کرنا ہو تو عاقبت اندیشی کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھنا، شرفاء کو تکلیف و اذیت دینے میں عجلت سے کام نہ لینا، اس لئے کہ ایسے لوگوں کی بے عزتی کا زخم آسانی سے نہیں بھرتا، اور پھر اسکی تلافی مشکل ہو جاتی ہے۔

(۹) بدزبان لوگوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا اور ان سے زیادہ تعلقات نہ بڑھانا، کیونکہ ایسے لوگوں کا اعتبار کرنے اور ان سے تعلقات رکھنے کی وجہ سے اطاعت گزار اور فرمانبردار غلاموں اور ہمدردوں میں خوف و ہراس پیدا ہو جاتا ہے، اور حکومت کے کاموں میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ جس کام کے پورا ہونے میں تمہیں شبہ ہو اس میں کبھی ہاتھ نہ ڈالنا، کیونکہ کسی کام کو ادھورا چھوڑ دینا بادشاہوں کیلئے بڑی ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔

(۱۰) عقلمندوں اور دانشوروں کے بغیر کسی کام کو پورا کرنے کی کوشش نہ کرنا، بادشاہ کیلئے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ رعایا کی اچھی بری بات سے واقف ہو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر معاملہ میں وہ اعتدال سے کام لے، نیز غصہ کی تیزی نہ دکھائے، کیونکہ ایسے بادشاہ سے لوگوں کو نفرت ہو جاتی ہے، سستی اور غیر ضروری نرمی کو بھی پاس نہ پھٹکنے دے، کیونکہ اس سے سرکشوں اور باغیوں کی ہمت بڑھتی ہے اور رعایا بدامنی کا شکار ہو جاتی ہے، ہر وقت اپنی حفاظت کرتے رہنا چاہیئے، کیونکہ بادشاہ کی جان رعایا کیلئے ڈھال کا کام کرتی ہے اور اسے ہر طرح کے مصائب سے بچاتی ہے، اپنے دروازے پر ہمیشہ مخلص اور قابلِ اعتبار پاسبانوں کو مقرر کرنا، اپنے چھوٹے بھائی سے ہمیشہ محبت اور نرمی کا برتاؤ اور سلوک کرنا، اور اسے دست و بازو سمجھنا، اس کی

جاگیر کو اسی طرح بحال رکھنا اور کسی کے چغلی کھانے پر اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہ کرنا۔

(حوالہ بالا، ص ۲۹۳)

بغرا خان کی وصایا:

سلطان بغرا خان نے اپنے بیٹے شہزادہ معزالدین کیقباد کو حسب ذیل نصیحتیں کیں:

(۱) اپنی اور جان کا خیال رکھو، اور علاج معالجے کی طرف پورا دھیان دو، ذرا آئینے میں اپنی صورت تو دیکھو یہ چہرہ کبھی گلاب کے پھول کی طرح تازہ اور شاداب تھا، اور اب جوانی کی غلط کاریوں کی وجہ سے لکڑی کی طرح خشک اور زرد ہے، عیاشی نے تمھیں کمزور اور ضعیف کردیا ہے۔ ان عادات کو ترک کردو، کیونکہ جب تک تمہاری جان ہی سلامت نہیں، دُنیا کی لذتوں سے کس طرح لطف اندوز ہو سکو گے۔

(۲) اب اپنے امیروں اور حاکموں کی خونریزی سے اجتناب کرو، تاکہ تمہارے خیر خواہ تم پر کچھ بھروسہ کر سکیں، ان امیروں یعنی ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین کو ناراض مت کرو، یہ تجربہ کار اور دُور اندیش ہیں، اپنے پختہ کار امیروں میں سے دو امیروں کو منتخب کرکے اپنا شریک کار بناؤ، ان چاروں امیروں کو ایوان سلطنت کے چار ستون سمجھو، ایک کو وزارت دوسرے کو رسالت تیسرے کو دیوانی اور چوتھے کو انشا کا عہدہ دیکر ان کی حوصلہ افزائی کرو۔ ہر کام میں ان کا مشورہ لو، ان کے مرتبے ان کے عہدے کے لحاظ سے کم و بیش ضرور ہوں گے، اس لئے ان میں سے کسی کو بھی دوسروں پر اتنی فوقیت نہ دو کہ انہیں سرکشی اور بغاوت کا موقع ملے۔

(۳) اگر کسی راز کو فاش کرنا منظور ہو تو وہ ان چاروں ہی کے گوش گزار کرنا، ایسا نہ کرنا کہ صرف کسی ایک ہی کو بتا دو ورنہ باقی تینوں تجھے قابلِ اعتماد نہ سمجھیں گے اور تجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔

(۴) نماز اور روزے کی پوری پوری پابندی کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو ان فرائض کو ترک کرکے دُنیا اور آخرت میں ناکام و محروم رہے، مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض عالموں نے حیلہ گری سے تجھے اس شرط پر رمضان کے روزے نہ رکھنے کی اجازت دی ہے کہ تو روزانہ ایک غلام آزاد کردے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے، تجھے انہوں نے بتایا ہے کہ اس طرح روزے کا کفارہ ادا ہو سکتا ہے، میں نے سُنا ہے کہ تو اس فتوے پر عمل کرتا ہے لیکن اے میرے بیٹے عالموں کے قول و فعل سے تمہارا الگ رہنا ہی اچھا ہے، دینی مسائل کو ایسے عالموں سے نہ پوچھنا چاہیئے جنہوں نے لالچ اور ہوس میں مبتلا ہو کر دُنیا پرستی کو اپنا شعار بنا لیا ہو، مذہب کے بارے میں ایسے برگزیدہ عالموں سے مشورہ لینا چاہیئے جنہوں نے دُنیا سے منہ موڑ لیا ہو اور جن کی نگاہوں میں دنیا کی تمام دولت کی وقعت ایک ذرہ کے برابر بھی نہ ہو۔

(حوالہ بالا ص ۳۰۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد کی وصیت:

حضرت شیخ عبدالحق محدث

دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے والد ماجد نے ہم کو تحریر فرمایا کہ "ملائے خشک وناہموار نہ باشی" لے بیٹے خشک ملا اور بدون تربیت نہ رہنا ۔[1]

حضرت بایزید بسطامیؒ کی وصیت:

آپ نے وصیت کی تھی کہ میری قبر میرے استاد کی قبر سے نیچی بنائی جائے ، یہ وصیت ان اُستاد کے متعلق تھی جن سے آپ نے قرآن پڑھا تھا ۔[2]

حضرت چراغ دہلیؒ کی وصیت:

وفات سے قبل آپ نے وصیت فرمائی کہ سید محمد گیسو درازؒ مجھے غسل دیں اور وہی نماز جنازہ پڑھائیں جو خرقہ مجھے حضرت محبوب الٰہیؒ سے مرحمت ہوا ہے اس میں میرا جسم لپیٹ کر دفن کر دیا جائے ۔[3]

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ کی والدہ کی نصیحت:

حضرت سلیمانؒ کی والدہ نے آپ کو نصیحت کی تھی کہ بیٹا! خدا کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا۔[4]

حضرت منصور الحلاجؒ کی وصیت:

جب حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ کو پھانسی کی طرف لیجایا جا رہا تھا تو بیٹے نے ہدایت طلب کی، آپ نے فرمایا کہ دُنیا ظاہری رسم و رواج کو دیکھتی ہے، مگر تم خدا کی خوشنودی کیلئے اس کی پرواہ نہ کرنا ۔[5]

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی وصایا:

اپنی اولاد، زوجہ اور سب دوستوں کو بتاکید وصیت کرتا ہوں کہ اتباع سنت کو بہت ضروری جان کر شرع کے موافق عمل کریں، تھوڑی مخالفت کو بہت سخت دشمن اپنا جانیں ۔

(۲) رسوم دنیا کو سرسری جان کر کرنا نہایت خرابی کی بات ہے ۔

(۳) لذت کھانے کی اور کپڑے کی قید نہایت خرابی ڈالنے والی دین اور دنیا کی ہے ۔

(۴) اپنے مقدور سے بڑھ کر کام کرنا مآل کار ذلیل ہونا ہے ، اس کی رسوائی دین و دنیا میں اٹھانی پڑے گی ۔

---

۱ ماہنامہ "البلاغ" شمارہ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ ،

۲ قصے اللہ والوں کے ، سعد اللہ ممتاز ، یوسف پبلشرز ، راولپنڈی ، ص ۱۵ ،

۳ ایضاً ص ۸۶ ، ۴ ایضاً ص ۱۱۵ ،

۵ ایضاً ص ۱۶۴ ،

(۵) بدمزاج و کج خلق سخت ناراضگیٔ حق تعالیٰ ہے، دنیا میں ایسا آدمی خوار رہتا ہے اور آخرت میں نہایت ذلت اُٹھاتا ہے۔

(۶) نرمی سب کے ساتھ لازم ہے۔

(۷) بُرا کام قلیل بھی بُرا ہے اور اطاعت و اچھا کام اگرچہ تھوڑا ہو بہت بڑا رفیق ہے۔

(۸) تکلفات شادی و غمی کے بدعت سے خالی نہیں ہیں، ان کو سرسری نہ جانیں، طعن و تشنیع و برادری کے سبب سے اپنے مقدور سے زیادہ کام کرنا یا خلافِ شرع یا بدعت کو کرنا عقل کی بات نہیں، دُنیا و دین میں اس کا خمیازہ بُرا ہے۔

(۹) اسراف کی مذمت اور بُرائی شریعت میں سخت آئی ہے کہ شیطان کا بھائی اس کو قرآن میں فرمایا ہے۔

(۱۰) اگر میرا انتقال ہو جائے تو حسبِ مقدور ثواب پہنچا دیں، اندازہ سے زیادہ ہرگز نہ کریں نہ کوئی تکلف غیر مشروع کریں، جو کچھ ہو موافق سُنت کے ہو، باہم اتفاق سلوک سے رہیں،

(۱۱) میرے ذمہ کسی کا ایک پیسہ بھی قرض نہیں، اس کا کچھ فکر نہ کریں، [۱]

(۱۲) ترکہ راپور جو فروخت ہوا سب کا حصہ دیا، یا صاحبِ حق نے معاف کیا، مگر ہمشیرہ کلاں نے نہیں لیا ان کی رضامندی سے وہ روپیہ ہمارے پاس خرچ ہوا ہے، اور ترکہ گنگوہ جو جدی ہے اس میں امۃ الحق کا حصہ نہیں، کیونکہ وہ دادا صاحب مرحوم نے ہمارے نام ہبہ کیا تھا اس میں ہم ہر سہ کا حصہ ہے، دو دو سہام بندہ اور بھائی صاحب کے، اور ایک حصہ ہمشیرہ صاحبہ کا ہے، اور جو ترکہ والد صاحب مرحوم کی خرید ہے اس میں ۶۴ سہام ہیں سات سہام امۃ الحق کے ہیں باقی کے پانچ حصے ہو کر دو دو ہر برادر کے اور ایک ہمشیرہ صاحبہ کا ہے جب اہل حق طلب کریں دیدیویں۔

(۱۳) کتب جو میرے پاس ہیں ان کی فہرست لکھی ہوئی رکھی ہے، سب کتب زر خرید اپنے نام کا لکھا ہے مگر محض رسائل کا نام نہیں لکھا گیا، اور وقفی کتابیں اور مستعار اور ترکہ والد سب کا نام لکھ دیا ہے، مستعار کتب حوالہ مالک کر دیویں، اور وقفی کتابیں اگر احتیاط سے رکھ سکیں تو رکھیں ورنہ کسی دینی مدرسہ کو دیویں، اور ترکہ کی رکھیں مگر جو حصہ ہوئے تو جب فرائض دیدیویں فقط اس سب پر عمل درآمد غور سے کریں، آئندہ مختار ہیں اپنے کئے کو آپ دیکھیں گے، یہ عاجز بری الذمہ ہو لیا۔ الحمد للہ اللہ رب العالمین۔

(۱۴) الماری کلاں حجرہ میں سب کتب وقفی ہیں، بعد موت بندہ جہاں مناسب ہو یہ کتب رکھی جائیں اور جو حافظ مسعود احمد کو درس کا خیال ہو تو فقہ جات خود بھی رکھیں، اور الماری مِلک بندہ کی ہے۔

---

[۱] تذکرۃ الرشید، ص ۳۴۱، مطبوعہ مکتبہ بحر العلوم کراچی۔ حضرت کی مکمل وصیت وصل الحبیب میں طبع ہوئی ہے۔

(۱۵) دُوسری الماری خوردتن کی لکڑی کی الماری میں سب کتابیں ملک بندہ کی ہیں مگر بعض کتب جو ستعار ہیں اس پر نام مالک کا ہے، وہ مالک کو دی جائے، اور شامی کا تکملہ خود ملک بندہ کی ہے، اور جو کتاب ترکہ والد مرحوم کی ہے، اس پر نام والد کا لکھا ہوا ہے اور مملوک پر نام بندہ کا ہے۔

(۱۶) مولوی عبدالکریم کی کتب خارج الماری، الماری نما صندق میں رکھی ہیں، وہ انہوں نے ہبہ بنام بندہ کر دیا ہے اور وقف خود وقف ہیں۔

(۱۷) حجرہ کا اسباب سب کا سب ملک بندہ ہے، سوائے دو ایک عدد رضائی کے وہ مہمانوں کے واسطے رکھی ہیں، وہ صدقہ کر دی جائیں، مگر دھوپ گھڑی جامع مسجد کی ہے۔

(۱۸) روپیہ جو کچھ قلمدان والماری میں ہے جس پر کچھ نشان لکھا ہے وہ اس کا ہے، مسجد کا یا کسی کا اور جس پر کچھ تحریر نہیں، وہ ملک بندہ ہے، کاغذاتِ قرض قلمدان میں ہیں، ان سے سب حال واضح ہو جائے گا، موافق اس کے عمل کریں، ہر شے اپنے مصرف پر اور مالک کو ملے اس میں فرد گزاشت نہ ہو۔

(۱۹) گھر کی الماری میں سب کتب ملک بندہ ہیں یا ترکہ والد کے، اور روپیہ سب اپنا ہے سوائے اس کے کہ اس پر کسی کا نام لکھا ہو، وہ ان کا ہے، امانت مالک کو دیویں، باقی کے مختار ہیں۔

(۲۰) میرے ذمہ کسی کا قرض نہیں ہے، جو میرا قرض ہے اس کی فرد قلمدان میں ہے دیکھ کر وصول کرلیں، اگر دو چار آنے گھاس دلنے کے عاشق یا کوئی خادم بتائے وہ دیدیویں، شاید سہو سے رہ گیا ہو، ورنہ قرض مجھ پر نہیں ہوتا۔ فقط۔ [۱]

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی وصایا:

آپ نے مندرجہ ذیل باتوں کی اپنے ورثاء کو وصیت کی:

(۱) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین حق دیکر مبعوث فرمایا، تاکہ انہیں تمام ادیان پر فتح دے چاہے اس بات سے مشرکین کو دلی رنج ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) وصیت کرتا ہوں کہ میں اللہ کی ربوبیت اور اسلام کی حقانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے راضی ہوں۔

(۳) وصیت کرتا ہوں کہ عبداللہ بن محمد یعنی بوران کے پچاس دینار میرے اوپر باقی ہیں، وہ اس دعوے میں حق بجانب ہوں گے، لہٰذا ان کا یہ قرضہ اس آمدنی سے ادا کیا جائے، جو انشاء اللہ میرے مکان کے کرایہ سے وصول ہوگی، اس کے بعد جو کچھ بچ رہے، اس میں سے عبداللہ اور صالح کے بال بچوں میں سے سب اولاد ذکور واناث کو دس دس درہم دیدیئے جائیں۔

گواہ: ابو یوسف، صالح وعبداللہ پسران احمد بن حنبلؒ۔ [۲]

[۱] وصایا ص ۵۲، [۲] وصایا ص ۲۴، ص ۲۵، (باقی آئندہ)

بہار، رنگارنگ پھولوں، شاداب چہروں اور بیدار آنکھوں کا موسم
پھر بھی کچھ چہرے بے آب اور کچھ آنکھیں بے رونق کیوں؟

موسم بہار میں چہار سو نئی کونپلیں اور تازہ پھول کھل اٹھتے ہیں اور روئے زمین پر زندگی انگڑائی لے کر جاگ اٹھتی ہے۔

اس موسم بیدار میں صحت بخش خون چہروں پر حسن بن کر جھلک اٹھتا ہے اور آنکھوں میں ایک نئی چمک پیدا کر دیتا ہے۔

لیکن اگر خون میں فاسد مادے سرایت کر جائیں تو پھوڑے پھنسیوں، مہاسوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جس سے چہرے بے آب اور آنکھیں بے شباب نظر آتی ہیں۔

بہار کے موسم میں صافی کا باقاعدہ استعمال فاسد مادوں کو خارج کر کے خون کو صاف اور صحت بخش رکھتا ہے اور یہی صاف خون چہروں پر حسن بن کر جھلک اٹھتا ہے۔

Adarts

HSF 1/84

ترتیب: محمد اقبال قریشی صاحب

افادات: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ

(آخری قسط)

دل اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی یاد کیلئے بنایا ہے:

ع دل گزرگاہ جلیل اکبر ست

اس کے معنی تو یہ ہیں کہ دل تجلی گاہ حق تعالیٰ کا، لہٰذا اس کو غیر کی آلودگی سے بچاؤ، اپنے گھر میں دوسرے[1] کے آنے کو کون پسند کرتا ہے۔ (الظاہر صفحہ ۵)

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

مگر جب دِل میں غیر اللہ کی یاد بس جائے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

---

[1] واقعی ؎ بے ترے دل کیا ہے بس ایک خول ہے
جلد آ یہ ناؤ ڈانوا ڈول ہے

دل جو دیکھا تو صنم خانہ سے بدتر نکلا
لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں خدا رہتا ہے

ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دلوں کو بھی (کبھی) زنگ لگ جاتا ہے جب اس کو پانی پہنچ جاتا ہے، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ کون چیز ہے جس سے دلوں کی صفائی ہو جائے، آپ نے ارشاد فرمایا: موت کا زیادہ دھیان رکھنا، اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان آدمی کے قلب پر چمٹا ہوا بیٹھا رہتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب وہ (یاد سے) غافل ہوتا ہے وسوسہ ڈالنے لگتا ہے۔ (بخاری شریف)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر اللہ کے سوا بہت کلام مت کیا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے سوا بہت کلام کرنا قلب میں سختی پیدا کرتا ہے اور سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ قلب ہے جس میں سختی ہو۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے کہ ہر شئے کی ایک قلعی ہے اور دلوں کی قلعی اللہ کا ذکر ہے (بیہقی) ان احادیث[1] سے معلوم ہوا کہ دلوں کی صفائی اور تزکیہ کیلئے ذکر اللہ کی کثرت کرنا چاہیئے ۔ بقول حضرت مجذوب رح:

میرے دلِ سیاہ کو انوارِ ذکر نے
خورشید پرضیا کا مماثل بنادیا

جمعیتِ قلب کونسی مطلوب ہے:

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کے ہر معاملہ سے یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ حضرت رح یہ چاہتے ہیں کہ جو غیر ضروری بات جمعیت قلب کے خلاف ہو اس کو ترک کردو اور ایسی چیزوں سے اکثر منع فرماتے تھے (الاضافات الیومیہ ج ۳ صـ ۵۲ ، معارف امدادیہ صـ ۱۳۶) جمعیت قلب جیسا کہ زیادہ کھانے سے فوت ہوتی ہے، کم کھانے سے فوت ہوتی ہے زیادہ کھانے سے خطرات کا ہجوم ہوتا ہے کیونکہ معدہ کی تبخیر دماغ کی طرف صعود کرتی ہے تو دماغ پریشان ہو جاتا ہے اور کم کھانے سے ہر وقت روٹیوں کی طرف دھیان لگا رہتا ہے۔ (فنار النفوس)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دنیا کی بے رغبتی (جس کا کہ حکم ہے) نہ حلال کو حرام (کرنے) سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے (ترمذی و ابن ماجہ)

---

[1] یہ احادیث حیوٰۃ المسلمین سے نقل کی ہیں۔ احقر قریشی غفرلہٗ

ف: اس میں صاف بُرائی ہے مال کے برباد کرنے کی کیونکہ اس سے جمعیت جاتی رہتی ہے۔

(حیوۃ المسلمین روح دہم)

جمعیت قلب وہ مطلوب ہے جس میں اپنی طرف سے اسباب شوشہ کو اختیار نہ کیا جائے پھر اگر جمعیت حاصل نہ ہو تو یہ معذور ہے، میں اس پر قسم کھا سکتا ہوں کہ جو تشویش قلب اختیار سے ہو وہی مضر ہے اور اگر بلا قصد و اختیار تشویش ہو وہ کچھ مضر نہیں مثلاً ایک شخص صاحب عیال ہے، اس وجہ سے دنیا میں مشغول ہے اور اس کو کسی وقت یکسوئی نہیں ہوتی، نماز و ذکر میں بلا قصد و اختیار وساوس شوشہ آتے ہوں تو کچھ مضر نہیں اور یہ قاعدہ کچھ حدیث النفس ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ حدیث اللسان یعنی کلام لسانی میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ بلا ضرورت ایک کلمہ بھی زبان سے نکالنا قلب کو سنیاناس کر دیتا ہے مگر قلب پر چونکہ طبیعت محیط ہے اس لئے محسوس نہیں ہوتا بخلاف اس کے اگر بضرورت تکثیر ہو تو کچھ بھی مضر نہیں مثلاً ایک شخص پہرہ دینے پر نوکر ہے وہ رات بھر ـــــ جاگو جاگو کرتا ہے اس سے نور قلب میں کچھ بھی کمی نہ آئے گی، اسی طرح تحریر میں جب تک ضرورت کا مضمون لکھا جائے گا کچھ ضرر نہ ہوگا اور اگر بے ضرورت ایک جملہ بھی لکھا گیا تو قلب کا ناس ہو جائے گا کیونکہ تحریر بھی ایک نوع کا کلام ہی ہے بہرحال کلام کی تین قسمیں ہیں، نمبر۱ کلام نفسی، نمبر۲ کلام لفظی، نمبر۳ کلام تحریری۔ کلام تحریری میں تحریر کا مطالعہ بھی داخل ہے اس لئے ہر کتاب کا مطالعہ بھی جائز نہیں غرض یہ کہ ہر ایک میں ضرورت کا درجہ مضر نہیں اور بلا ضرورت ایک جملہ کا تلفظ یا کسی بات کا سوچنا یا لکھنا مضر ہے چنانچہ بعض کلام کو خوشنما بنانے میں سجع وغیرہ کا تکلف کرتے ہیں چونکہ یہ بلا ضرورت ہے اس لئے گویا اس میں تنبیہ ہے ہم کو عدم تکلف پر کہ دیکھو جب ہم باوجود قدرت کے سجع کی رعایت نہیں کرتے حالانکہ ہم کو اس میں تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ تم کو بھی سجع کی رعایت نہ کرنا چاہیئے کیونکہ تم کو تکلف کرنا پڑے گا اور بے ضرورت چیز کیلئے تم کو تکلف کرنا ہے۔ (انفاس عیسیٰ، ج ۱ ص ۲۴۸، ص ۲۴۹)

حصولِ فراغِ قلب کا طریقہ:

قلب کو ہر وقت ماسوا اللہ سے فارغ رکھنا چاہیئے (یعنی دل کسی اور چیز سے لگا ہوا نہ رہے) یہ

۱؎ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کا اپنا معمول مبارک یہ تھا کہ راستہ چلتے کوئی بات یاد آجاتی تو فوراً کاغذ کے کسی ٹکڑے پر تحریر فرمالیتے۔ رات کو پنسل کاغذ سرہانے کے نیچے رکھ کر سوتے اور کسی تصنیف یا کسی موضوع کے بارے میں کوئی نیا مضمون ذہن میں آتا تو فوراً لکھ لیتے اور فرماتے تھے کہ قلب کو ہمیشہ فارغ رکھتا ہوں تاکہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کو جی چاہے تو وہ کسی الجھن میں اٹکا نہ رہے۔

غرض جبتک دل ماسوی اللہ سے پاک ہوگا تب تک نہ سچی توحید حاصل ہوگی اور نہ جمال مبارک حق کا آئینہ دل میں شاہدہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے بندہ کو ایک ہی قلب مخصوص اپنے واسطے عطا کیا کوئی دوسرا دل نہیں کہ اس میں دوسرے تعلقات شاغل کو جگہ ہو (تربیت السالک، ج ۲ ص ۲۷) اسلئے دل کو ذکر الٰہی کیلئے فارغ رکھنے کی فکر رہے۔

نہایت نافع ہے۔ اسکے تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ جو بات اور جو کام ضروری نہ ہو، اس کو دیکھو نہ سنو خواہ وہ چیزیں ماضی کے متعلق ہوں یا مستقبل کے۔ (انفاسِ عیسیٰ ج ۱ ص ۲۶۱)

اصلاحِ قلب کا آسان نسخہ:

(۱) کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کرے، اس سے اصلاحی تعلق قائم کرکے اس کے ارشادات پر عمل کرے۔ انشاء اللہ اس کی صحبت سے جلد قلب کی حالت میں تغیر محسوس ہوگا اور دل کی دنیا بدلنا شروع ہوگی۔

(۲) فی الحال یہ دشوار ہو تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ حسنہ کا باقاعدگی سے مطالعہ کرے بہت نفع محسوس ہوگا۔

(۳) مناجاتِ مقبول سے چند دعائیں نقل کرتا ہوں، فرصت کا کچھ وقت نکال کر احضارِ قلب سے ان ادعیہ کو پڑھے، بہت جلد اصلاحِ قلب کا داعیہ دل میں پیدا ہوگا اور جلد ہی اصلاحِ باطن کے اسباب پیدا ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ع

کلبہ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

(۱) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ٥ (آلِ عمران: آیت ۲۸)

اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے بعد اس کے کہ آپ ہم کو (حق کی طرف) ہدایت کر چکے اور ہم کو اپنے پاس سے رحمتِ خاصہ عطا فرمائیے (وہ رحمت یہ ہے کہ راہ مستقیم پر قائم رہیں) بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔

(۲) اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ (مسلم و نسائی)

اے اللہ، دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(۳) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا (بخاری و مسلم)، اے اللہ، میرے دل میں نور کر دے۔

(۴) اَللّٰهُمَّ[1] اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ بَصَرِیْ وَجَلَاءَ حُزْنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ۔ (ابن حبان، حاکم، طبرانی) یا اللہ، قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور میری آنکھ کا نور اور میرے غم کی کشائش اور میری فکر کا

---

[1] بوجہ اختصار دعا ۳، ۴، ۹، ۱۱ اور ۱۴ مختصر لکھی ہیں۔ پوری دعائیں یاد کرنا ہوں تو مناجاتِ مقبول دیکھ کر یاد کرلیں۔ اگر مناجاتِ مقبول کی ایک منزل روزانہ پڑھ لی جائے تو یہ بھی شامل ہو جائیں گی۔ اللّٰھم وفقنا۔ آمین۔

دفعہ پڑھا کرے۔

(۵) اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ قُلُوْبًا اَوَّاهَةً مُّخْبِتَةً مُّنِيْبَةً فِيْ سَبِيْلِكَ، اے اللہ ہم تجھ سے مانگتے ہیں ایسے دل جو متاثر ہوں اور عاجزی کرنے والے ہوں اور رجوع کرنے والے ہوں تیری راہ میں۔

(۶) اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ عَيْنَيْنِ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْيَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّ الْاَضْرَاسُ جَمْرًا۔ یا اللہ مجھے آنکھیں برسنے والی نصیب کریں جو سیراب کریں دل کو بہتے ہوئے آنسوؤں سے تیرے خوف سے قبل اس وقت کہ آنسو خون اور داڑھیں انگارے ہو جائیں۔

(۷) اَللّٰهُمَّ اَقْبِلْ بِقَلْبِيْ اِلٰى دِيْنِكَ وَاحْفَظْ مِنْ وَّرَائِنَا بِرَحْمَتِكَ، اے اللہ میرے دل کو اپنے دین کی طرف متوجہ کر دے اور اپنی رحمت کے ساتھ ہماری ادھر اُدھر سے حفاظت رکھ۔

(۸) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِيْ خَشْيَتَكَ وَذِكْرَكَ وَاجْعَلْ هِمَّتِيْ وَهَوَايَ فِيْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى، یعنی اے اللہ میرے دل کے خیالات کو اپنا خوف اور اپنی یاد کر دے اور میری ہمت اس چیز میں کر دیں جسے آپ اچھا سمجھیں اور پسند کریں۔

(۹) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا دَائِمًا وَّاَسْئَلُكَ قَلْبًا خَاشِعًا، اے اللہ میں تجھ سے ہمیشہ رہنے والا ایمان مانگتا ہوں اور تجھ سے دل خشوع کرنے والا مانگتا ہوں۔

(۱۰) اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ اے اللہ میرے گناہ برف اور اولے کے پانی کے ساتھ دھو دے اور میرے دل کو گناہوں سے ایسا پاک کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے اور مجھ میں اور میرے گناہوں میں ایسا فصل کر دے جیسا مشرق اور مغرب میں تو نے فصل کیا ہے۔

(۱۱) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا۔ اے اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دُعا سے جو مقبول نہ ہو۔

(۱۲) اَللّٰهُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِكْرِكَ وَاَتْمِمْ عَلَيْنَا نِعْمَتَكَ وَاَسْبِغْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَاجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ اے اللہ ہمارے

دلوں کے قفل اپنے ذکر سے کھول دے اور ہم پر اپنی نعمت کو پورا فرما اور ہم پر اپنا فضل کامل کر اور ہمیں اپنے نیک بندوں میں سے بنادے۔

(۱۳) اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَآءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ،

اے اللہ، میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک کردے کیونکہ تو آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور جو کچھ دل چھپاتے ہیں۔

(۱۴) وَاَذْھِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَآ اَحْیَیْتَنَا،

(اے اللہ!) دور کردے میرے دل کا غصہ اور بچائے رکھ مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے جب تک تو ہمیں زندہ رکھے۔ آمین۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ تو وہ ظلم کا خوگر ہوتا ہے نہ ہی وہ اسے رسوا و بے آبرو ہونے دیتا ہے۔ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا اور جو اپنے مسلمان بھائی کی تنگی و پریشانی دور کرے گا تو خدا قیامت کے دن اس کی پریشانیوں کو دور کرے گا اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کی خدا قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (متفق علیہ)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ
مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال

سر سید احمد خان

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نظر میں

پروفیسر احمد سعید صاحب ایم اے او کالج لاہور کے شعبہ تاریخ سے منسلک ہیں انہوں نے اپنے تاریخی اور سیاسی مطالعہ کے موافق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی سیاسی خدمات پر بھی ایک تحقیقی کتاب بنام "مولانا اشرف علیؒ اور تحریک آزادی" لکھی تھی۔ یہ کتاب اتنی مقبول عام ہوئی کہ دوسرا ایڈیشن حال ہی میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی قائم کردہ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ اس مرتبہ اس میں مزید نیا مواد بھی شامل کیا گیا جس کی وجہ سے کتاب کی ضخامت تقریباً دوگنی ہوگئی اور اس کی افادیت میں بھی مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

ماشاءاللہ پروفیسر احمد سعید صاحب کا حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور ان کے خلفاء و متوسلین سے دلی موانست اور قلبی تعلق حاصل ہے اور وہ تاریخی اور تحقیقی حیثیت سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سیاسی مسلک و مشرب کی وضاحت کرتے رہتے ہیں اس کتاب میں بھی بعض تاریخ نویسوں نے جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک و مشرب پر غلط انداز سے پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی اس کا پردہ چاک کرنے اور حقیقت کو واضح کرنے میں پروفیسر موصوف کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

آں موصوف کی قلمی کاوشیں اور اس سلسلے کے علمی تاریخی مضامین نہ صرف یہ کہ قابل تحسین ہی ہیں بلکہ قابل تقلید اور مشعل راہ بھی ہیں مگر ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے سرسید احمد خان کے بارے میں علمائے کرام پر جو یہ الزام لگایا ہے کہ مولویوں نے انہیں واجب القتل قرار دیا تھا اس الزام کو تاریخی حقائق کے خلاف قرار دیتے ہوئے پروفیسر موصوف نے سرسید احمد خان کی مدافعت میں جو طرز تحریر اختیار کیا ہے اس سے ناظرین کو سرسید احمد خان کے بارے میں غلط نظریہ قائم کرنے اور سرسید احمد خان کو اسلام کی بڑی شخصیت' میں شمار کرنے کا سخت اندیشہ ہے اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نظر میں سرسید احمد خان کی حیثیت کی وضاحت کردی جائے تاکہ ناظرین کے سامنے تصویر کے دونوں رُخ آجائیں اور غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

پروفیسر صاحب موصوف کا یہ لکھنا درست اور تاریخی حقیقت ہے کہ "مولانا تھانوی نے کبھی بھی نہ تو ذاتی حملے کئے اور نہ ہی ان کو

کا فربتلا کر واجب القتل قرار دیا اس کے برعکس آپ نے سرسید کی مختلف صفات کی ہمیشہ برملا تعریف کی۔ آپ سرسید کے خلوص اور ملی ہمدردی کی اکثر تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک مجلس میں دوران گفتگو فرمایا۔ عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو۔ سرسید کو مسلمانوں کی فلاح وبہبود کی بہت ہی دھن تھی اور اس معاملے میں بہت دلسوزی تھی کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی اس صفت پر رحم فرمائیں۔

(تحریک آزادی صفہ ۱)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بڑی فراخ حوصلگی اور وسعتِ قلبی سے اپنے مرتبے اور مقام کے موافق سرسید احمد خان کے خلوص استغناء اور تحمل و حوصلہ مندی مسلمانوں کی فلاح وبہبودی کی فکر جیسے اوصاف ذاتیہ کا جابجا تذکرہ فرمایا ہے مگر ان صفات کے تذکرہ فرمانے سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ حضرت حکیم الامت کی نظر میں سرسید احمد خان کوئی بہت ہی بڑی عظیم شخصیت ہیں یا یہ کہ ان کے عقائد و اعمال میں کوئی بات بھی غلط اور واجب الاصلاح نہ تھی۔

زیر نظر تحریر اس تحریر کا مقصد وحید یہی ہے کہ سرسید کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں ناظرین کو کسی طرح کا دھوکا اور التباس نہ ہے چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سرسید کے مذہبی اعتقادات وخیالات کو اپنے ایک رسالے میں جمع فرما کر اس کو بنام "نموذج من معتقدات بعض اھل العوج" اپنے فتاوٰی کا جزو قرار دے دیا ہے اس نام کے سنتے اور دیکھتے ہی سرسید کی مذہبی اور شرعی شخصیت وحیثیت کا پتہ اہل نظر کو لگ جاتا ہے اور ان کے عقائدِ زائغہ کا علم ہو جاتا ہے۔

اس رسالے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے سرسید کی "تفسیر القرآن" اور ان کے سالے "تہذیب الاخلاق" سے ان کے بہت سے غلط اعتقادات وخیالات کی نشاندہی فرمائی ہے رسالے کے شروع ہی میں ارقام فرماتے ہیں۔

"بعض خیر خواہاں کی فرمائش پر کچھ عقائدِ زائغہ تفسیر القرآن مصنفہ سرسید سے بہت ہی معمولی وسرسری نظر سے نظیر نمونے کے زبانِ فارسی میں ایک جدول کی شکل میں جمع کئے گئے تھے" (امداد الفتاوٰی صفحہ ۲۷۵ ج ۶)

اور فرماتے ہیں۔

"علاوہ تفسیر کے پرچہ تہذیب الاخلاق میں بعض معتقدات ہیں (الاخر صفحہ ۲۷۶، جلد ۶)

اس کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے سرسید کی تفسیر القرآن مطبوعہ مفید عام آگرہ کی پانچوں جلدوں سے مع نشان صفحہ اور سطر کے سرسید کے خلافِ اسلام اور خلافِ اجماعِ امت اعتقادات مثلاً انکارِ ماہیت نبوت بطرز عقائد اہل اسلام۔ ملائکہ اور شیطان کے وجود خارجی کا انکار۔ جنت دوزخ اور نعمائے جنت کے حسی وخارجی ہونے کا نہ صرف یہ کہ انکار کرنا بلکہ انکا الفاظ شنیعہ اور استہزاء یہ سے ذکر کرنا۔ اور معجزات جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے دریا میں راستوں کا بن جانا۔ اور بنی اسرائیل کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے کی وجہ سے پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہو جانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ کے پیدا ہونا اور ان کے آسمانوں پر زندہ جانے کا انکار کرنا۔ حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ سے اونٹنی کے پیدا ہونے کا انکار کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالتِ بیداری میں معراجِ جسمانی کا انکار کرنا۔ وغیرہ وغیرہ کا تذکرہ فرما کر انکا خلاف اسلام اور خلافِ اجماع امت ہونا ظاہر فرمایا ہے۔ حضرت تھانویؒ کا یہ رسالہ امداد الفتاوٰی مبوب جلد ششم کے صفحہ ۲۷۵ سے صفحہ ۳۲۴ تک چلا گیا اس کے علاوہ "سرسید احمد اور ان کے متبعین کا حکم" کے زیر عنوان صفحہ ۱۶۶ جلد ۶۔ تا صفحہ ۱۸۵ پر ایک استفتاء میں جواب حضرت حکیم الامت تھانوی کے قلم سے ہی امداد الفتاوٰی جلد ۶ میں درج اور طبع شدہ موجود ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس فتوی میں فرقہ نیچریہ اور اس کے بانی کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

"اس چودہویں صدی کے قریب ہندوستان میں فرقہ نیچریہ پیدا ہوا ہے جس نے تمام علمائے اسلام کی تغلیط اور احکام شرعیہ کی تخلیط اور اصول کا قمع اور فروع کا قلع اور محدثین پر طعن اور مفسرین پر تشنیع ولعن علی الاعلان کرنا شروع کیا" صہ ۱۶۷

حضرت حکیم الامت تھانویؒ پھر لکھتے ہیں۔

اس کے نقل جملہ کو سن کر کوئی مسلمان نہ ہوگا جو اس فرقے کی نسبت حکم شدید نہ کرے۔ مگر چونکہ دعویٰ بلا دلیل غیر مسموع ہے اقناعاً للناظرین چند اقوال اس فرقے کے مع نام کتاب یا اخبار جس سے اخذ کیا ہے۔ بنام قائل اور مختصر تردید وکیفیت کے بصورت ایک نقشے کے ذیل میں درج ہوتے ہیں" ۱۶۸

اس کے بعد ایک جدول کی صورت میں اس فرقے نیچریہ کے عمائدین مثل سرسید وغیرہ کے عقائد فاسدہ اور اقوال فاسدہ کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے پھر اس فرقے کا حکم الفاظ ذیل میں تحریر فرمایا ہے۔

"میں بہ سبب ادعائے ظاہری اسلام کے اطلاق اس لفظ سے احتیاط کرتا ہوں البتہ درجے کا گمراہ اور مبتدع کہتا ہوں" (صہ ۱۸۴ جلد ۶)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نظر میں سرسید اور ان کے متبعین اگرچہ حکم شدید کے مستحق ہیں لیکن حضرت حکیم الامت نے ورع اور تقویٰ اور غایت درجہ احتیاط کی بنا پر حکم کفر سے احتیاط فرمائی البتہ اعلیٰ درجے کا گمراہ اور مبتدع قرار دیا۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے سرسید پر نہ کبھی ذاتی حملے کئے نہ ہی ان کو کافر بلا کر واجب القتل قرار دیا بلکہ ان کے خلوص اور استغناء حوصلہ مندی اور ملی ہمدردی کی تعریف فرمائی ہے۔ مگر ان اچھی صفات کے ساتھ متصف ہونے کے باوجود ان کے عقائد زائغہ اور خیالات فاسدہ کی وجہ سے اعلیٰ درجے کا گمراہ اور مبتدع بھی بتلایا ہے اور بعض ملفوظات میں ان کی اسلام دوستی بے خرد قرار دیا ہے جو کہ مصرع دوستی بے خرد چوں دشمنیست کے مصداق ہوتی ہے اسی کو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سرسید کے فرمایا تھا کہ سرسید کے متعلق یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ نیت اچھی نہیں ہے مگر یہ ضرور کہیں گے کہ عقل نہیں۔

(الافاضات الیومیہ صہ ۲۴۷ ج ۴)

اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحنے سرسید کے سفیر کی زبانی پیغام سن کر فرمایا تھا کہ ہم تو آج تک مسلمانوں کی فلاح کا راستہ اللہ اور اس کے رسول کی اتباع میں سمجھتے مگر آج یہ معلوم ہوا کہ ان کی ترقی اور فلاح کا کوئی اور راستہ بھی ہے۔

ان حضرات اکابر کی ان منقولہ عبارات سے بھی واضح ہے کہ سرسید مسلمانوں کی ترقی اور فلاح کے لئے جس راستے کو اختیار کر رہے تھے وہ اللہ اور اس کے رسول کا راستہ نہیں تھا اور ان کے اس راستے کو اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو عقل نہیں تھی۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنے اسی ملفوظ ۹،، میں جس سے پروفیسر احمد سعید موصوف نے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کی آراء سرسید کے بارے میں نقل کی ہیں فرمایا ہے۔

شروع سرسید کے حال سے ہوا تھا اب اسی کا بقیہ عرض کرتا ہوں کہ وہاں نصوص اور احادیث کا انکار۔ حضورؐ کی معراج جسمانی کا انکار اور کثرت سے خرافات ہانکتے ہیں اس کو معتقدین کہتے ہیں کہ اسلام کا اور مسلمانوں کا خیرخواہ اور ہمدرد تھا۔ نہ معلوم وہ خیرخواہی اور ہمدردی کونسی قسم کے مسلمانوں اور کونسے اسلام کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم میں تشریف لاکر جس اسلام کی تبلیغ کی اور جیسا

مسلمان اس اسلام اور مسلمانوں کی تو اچھی خاصی دشمنی تھی (ملفوظات صـ۲۷۳ جلد ۴)

اس کی وجہ حضرت الامتؒ کی نظر میں بھی یہی ہے کہ سرسید مسلمانوں کی فلاح اور بہبود کے خواہاں تو تھے مگر چونکہ نادان کی دوستی واقع میں دشمنی ہی ہوتی ہے اس لئے وہ حقیقتاً اسلام دوستی نہیں تھی اس لئے حضرت نے فرمایا کہ

"میں ان کو نادان دوست کہا کرتا ہوں" (اشرف السوانح صـ۲۱۵)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد میں " مگر یہ ضرور کہیں گے کہ عقل نہیں " پروفیسر صاحب نے اپنی طرف سے اچھی کا لفظ بڑھا دیا اور عبارت یوں بنا دی کہ عقل اچھی نہیں ہے گویا یہ اچھی کا لفظ بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی فرمودہ ہے حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں ہے جیسا کہ الافاضات الیومیہ حصہ چہارم صـ۳۷۴ کے دیکھنے سے واضح ہے۔

دوسرے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف یہ بات منسوب کر دی کہ سرسید کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی بہت دھن تھی۔ الخ

حالانکہ اشرف السوانح جلد اوّل صـ۲۱۵ پر فلاح سے پہلے دنیوی کا لفظ عبارت میں موجود ہے اور عبارت اس طرح ہے

سرسید کو مسلمانوں کی دنیوی فلاح کی بہت ہی دھن تھی الخ

پروفیسر صاحب نے دنیوی کا لفظ نقل نہیں کیا جس سے یہ تاثر لیا جا سکتا ہے کہ سرسید کو دنیوی فلاح و بہبود کے ساتھ مسلمانوں کی اخروی فلاح اور بہبود کی بہت فکر تھی۔ ظاہر ہے کہ اشرف السوانح کی عبارت مذکورہ کا یہ مفہوم و مقصود ہرگز نہیں ہے ایک مؤرخ اور تاریخ نویس کیلئے جس غیر جانبداری کو پروفیسر مذکور نے خود اس نے اپنی کتاب میں ضروری قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی تحریروں میں اس کے جذبات کو بالکل دخل نہ ہو۔ اور ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی مذکور کو تاریخ نویسی کے مسلّمہ اس اصول کو مجروح کرنے کا الزام دیا ہے کہ واقعات کے بیان کرنے میں پوری دیانت برتی جائے مگر اوپر کی دو مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود پروفیسر موصوف بھی عبارات کے نقل کرنے میں پوری دیانتداری قائم نہیں رکھ سکے اور تاریخ نویسی میں اپنے جذبات کو بھی پوری طرح قابو میں نہیں رکھ سکے۔

حلاوتِ ایمانی

(ایمان کی مٹھاس)

حدیث ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما ومن احب عبدا لا یحبہ الا اللہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقیٰ فی النار (متفق علیہ)

(مشکوٰۃ کتاب الایمان ص۱۲)

ترجمہ تین خصائل جس میں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پائے گا۔ ایک یہ کہ اللہ اور رسول اس کے قلب میں تمام موجودات سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرے یہ کہ کسی بندے سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔ تیسرے یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا اس کو اس قدر ناگوار ہو جیسے کہ اس کو آگ میں ڈالا جانا ناگوار ہو۔

حلاوۃ ایمانی کیا ہے ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص۷۶ پر حلاوت ایمانی کی پانچ علامات تحریر فرمائی ہیں:

۱ استلذاذ الطاعات

طاعات میں لذت محسوس کرنا۔

۲ وایثارها علی جمیع الشهوات والمستلذات

اور ذکر و طاعت کو تمام خواہشات نفسانیہ پر ترجیح دینا

۳ وتحمل المشاق فی مرضات الله ورسوله

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے ہر مشقت و کلفت کو خوشی خوشی برداشت کرنا۔

(با قاعدہ اذا جأت الالفة رفعت الکلفة جب الفت آتی ہے تو کلفت ختم ہو جاتی ہے)

۴ وتجرع المرارات فی المصیبات

اور مصائب کے تلخ گھونٹ کو پی جانا

(المرارات بفتح المیم جمع مرارہ بفتح المیم) (مرارہ پتہ)

گذر گئی جو گذرنا تھی دل پہ پھر بھی مگر

جو تیری مرضی کے بندے تھے لب ملا نہ سکے

۵ والرضا فی القضا فی جمیع الحالات

اور ہر حال میں حق تعالیٰ کی قضا و فیصلہ اور تقدیر سے خوش رہنا تنگی، فراخی، صحت، مرض، خوشی، غمی ہر حال میں اپنے مولیٰ سے راضی رہتے ہیں

ے کشتگانِ خنجر تسلیم را　　ہر زماں از غیب جان دیگر ست

حلاوۃ ایمانی پر حسن خاتمہ کی بشارت

ملا علی قاریؒ ایک روایت نقل فرماتے ہیں:

وقد ورد ان حلاوة الایمان اذا دخلت قلبا لاتخرج منه ابداً ففیه اشارة الی بشارة حسن الخاتمة له　　(مرقاة ج ۱ ص ۶۲)

ترجمہ وارد ہے کہ جس دل میں ایمان کی حلاوت (مٹھاس) داخل ہو جاتی ہے تو پھر اس دل سے کبھی نہیں نکلتی۔ پس اس روایت میں بشارت ہے اس کے حسن خاتمہ کی جس کے دل میں حلاوت ایمانی داخل ہو جائے۔

حلاوت ایمانی سے کیا مراد ہے؟

حلاوت ایمانی سے مراد معنوی حلاوت ہے یعنی باطن میں قلب درُوح اس حلاوت کو محسوس کرتے ہیں لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے عجیب بات بیان فرمائی کہ حسّی اور معنوی دونوں حلاوت مراد ہے۔

داغرب بن حجرحیث قال ذوقاً حسیاً او معنویا (مرقاۃ ج ۱ ص ۷۶)

احقر عرض کرتا ہے کہ بہت سے عشاق حق کو حسی طور پر یہ مٹھاس محسوس ہونا منقول ہے۔ چنانچہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

اللہ اللہ این چہ شیریں ست نام
شیر وشکر می شود جانم تمام

یعنی "اللہ اللہ کیا پیارا اور میٹھا نام ہے کہ اس نام سے جان میں دودھ اور شکر کے مل جانے والی مٹھاس محسوس ہو رہی ہے" اور اس مٹھاس پر مولانا نے عجیب استدلال دیوان شمس تبریز میں پیش کیا ہے۔

؎ اے دل این شکر خوشتر یا آنکہ شکر سازد
اے دل این قمر خوشتر یا آنکہ قمر سازد

اے دل یہ شکر (چینی) زیادہ میٹھی ہے یا شکر کا خالق اور بنانے والا زیادہ میٹھا ہے اور اے دل یہ چاند جیسے حسین زیادہ اچھے ہیں یا ان کا بنانے والا زیادہ اچھا ہے۔

؎ چہ باشد آں نگار خود کہ بندد این نگارہا

مثنوی میں ایک جگہ اور ارشاد ہے: ؎

نام او چوں بر زبانم می رود
ہر بُن مو از عسل جوئے شود

ترجمہ:- جب میں اللہ پاک کا نام پاک لیتا ہوں تو اتنا لطف محسوس ہوتا ہے جیسے کہ میرے بال بال سے شہد کی نہریں جاری ہو گئیں۔

اس صدی کے بعض بزرگ ایسے گذرے ہیں کہ انہوں نے اپنا حال بتایا کہ جب اللہ کا نام لیتے ہیں تو منہ واقعی میٹھا ہو جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ ایک جگہ اور بیان فرماتے ہیں:

بوئے آں دلبر چو پراں می شود

ایں زبانہا جملہ حیراں می شود

ترجمہ: جب حق تعالیٰ جو محبوب حقیقی ہیں ان کی طرف سے قریب کی ہوائیں ہماری روح تک آتی ہیں تو اس لذت کو بیان کرنے کے لئے تمام زبانیں اور لغات حیرت ہو جاتے ہیں۔ اسی مفہوم کو حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ تہجد کے وقت جب اپنی روح میں اس قرب کی بہار کو محسوس کرتے تھے تو یوں تعبیر فرماتے تھے:

کیوں باد صبا آج بہت اشکبار ہے

شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زلف یار ہے

اور اللہ والوں کے نام لینے کی بہاریں دور دور تک محسوس ہوتی ہیں حضرت عارف رومیؒ نے فرمایا:

گفت پیغمبر کہ بر دست صبا   از یمن می آیدم بوئے خدا

یہی وہ کیف و مستی بے خودی ہے جس کو حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

چو حافظ گشت بے خود کے شمارد

بیک جو مملکت کاؤس و کے را

ترجمہ: جب حافظ بے خود اور مست ہوتا ہے تو کاؤس اور کے کی سلطنت کو ایک جو کے بدلے میں شمار نہیں کرتا۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں

کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

ترجمہ: اگرچہ محبت حق کے میکدہ کا ادنیٰ گدا ہوں لیکن جب ان کے نام کی لذت سے مست ہوتا ہوں تو ناز سے آسمان پر اور ستاروں پر حکم کرتا ہوں۔

ے جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شئے نہیں میری

(مجذوبؒ)

احقر کے چند اشعار:

ہر لمحۂ حیات گذار ہم نے

آپ کے نام کی لذت کا سہارا لیکر

ہر وادی ویراں میں گلستان نظر آیا

قرباں میں ترے نام کی لذت پہ خدایا

مجھ کو جینے کا سہارا چاہیئے

دل ہمارا غم تمہارا چاہیئے

دل چاہتا ہے ایسی جگہ میں رہوں جہاں

جیتا ہو کوئی درد بھرا دل لئے ہوئے

ارے یارو! جو خالق ہو شکر کا

جمال شمس کا نور قمر کا

نہ لذت پوچھ پھر ذکر خدا کی

حلاوت نام پاک کبریا کی

وہ کیا اعمال ہیں جن سے ایمان کی حلاوت دل کو نصیب ہوتی ہے

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمام موجودات کائنات سے زیادہ ہو۔ اس محبت سے مراد محبت عقلی ہے یا محبت ایمانی مراد ہے محبت طبعی مراد نہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ولیس المراد الحب الطبعی لا نہ لا یدخل تحت الاختیار

(مرقاۃ ج ۱ ص ۲۳)

جس طرح مریض اپنے اختیار سے دوا پیتا ہے باوجود طبعی ناگواری کے لیکن عقلاً دوا کو مفید سمجھ کر پی لیتا ہے۔

کحب المریض الدواء فانہ یمیل الیہ باختیارہ (ایضاً)

لفظ حلاوت کی وجہ تسمیہ چونکہ مٹھاس کا حسیات اور محسوسات میں انسان کے لئے محبوب ہونا بہت واضح تھا اس لئے یہ لفظ استعمال

فرمایا گیا (مرقاۃ)

وقال هذا حافظ بن حجر عسقلانی فی فتح الباری ج ۱ ص ۱ وعبّر الشارع عن هذه الحالة بالحلاوة لانها اظهر اللذائذ المحسوسه

محبت رسول سے کیا مراد ہے

ومن محبة نصر سنته والذب عن شریعته وتمنی ادراکه فی حیاته لیبذل نفسه وماله دونه

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے حقوق سے یہ ہے کہ آپ کی سنت کو زندہ کرے اور غیر شریعت کو مثل بدعت و رسومات جہل کو شریعت سے دور کرے اور تمنا کرنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کہ اگر حضور علیہ السلام کو پا جاتے تو آپ کے لئے اپنی جان اور مال کو فدا کر دیتے جیساکہ صدیق کی تعریف میں علامہ آلوسیؒ نے بیان کیا ہے الذی یبذل الکونین فی رضا محبوبه صدیق وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب حقیقی حق تعالیٰ شانہٗ اور محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دونوں جہاں لٹا بیٹھے۔

دونوں عالم دے چکا ہوں مے کشو
یہ گراں مے تم سے کیا لی جائے گی

جہان آخرت کس طرح فدا کرے یعنی ثواب اور جنت سے زیادہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھے کیونکہ ثواب اور جنت نعمت ہے اور منعم (نعمت دینے والا) کا درجہ نعمت سے زیادہ ہوتا ہے۔ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں:

بذکر حبیب از جہاں مشتغل
بہ سودا اے جانان ز جاں مشتغل
بہ یاد حق از خلق بگریختہ
چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

ترجمہ:۔ محبوب حقیقی کی یاد میں سارے جہاں سے بے پرواہ ہیں اور اس محبوب کی محبت میں اپنی جان کو بھی بھولے ہوئے ہیں اور یاد حق میں مخلوق سے بھاگے ہوئے ہیں اور اس ساقی ازل پر ایسے مست ہوئے کہ مے اور جام مے بھی پھینک چکے یعنی نعمتوں کی طرف التفات نہ رہا جب منعم حقیقی کی یاد چھا گئی جیساکہ علامہ ابو القاسم قشیریؒ رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں کہ شکر کی حقیقت منعم حقیقی کی یاد میں غرق ہونا ہے نہ کہ نعمتوں میں غرق ہو کے منعم حقیقی کو بھول جانا۔

(باقی آئندہ)

نوٹ : تبصرے کیلئے ہر کتاب کی دو جلدیں بھیجنا ضروری ہیں۔

نام کتاب **کاروانِ زندگی** (حصّہ دوم) ۔ مؤلف :۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ،
سائز ۔ ۲۳×۱۸ ۔ کل صفحات :۔ ۴۲۰ ۔ قیمت مجلد ۔ /۳۹ روپے ۔
ناشر :۔ مجلس نشریات اسلام ۔ ۱ ۔ کے ۔ ۳۰ ۔ ناظم آباد ملا کراچی ۱۸

مولانا علی میاں صاحب مدظلہ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح، حضرت مولانا حیدر حسن خان ٹونکی، مولانا احمد علی لاہوری رح کے مایہ ناز شاگرد اور عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید باصفا ہیں۔ عربی ادب میں مایہ ناز ادیب علامہ خلیل عرب یمنی سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔ ملک بیرون ملک بہت سے تعلیمی اداروں کے مشیر اور علمی مجالس کے ممبر و صدر نشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ عمل اور قول کے ساتھ فعل کا بھی پابند بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر کا عمدہ سلیقہ عطا فرمایا ہے۔ عام بات سے ایسی قیمتی رائے اخذ کرتے ہیں کہ جہاں دوسروں کے دماغ عاجز ہیں۔ پیچیدہ اور مشکل مسائل کو آن واحد میں عمدہ طریقہ پر آسان بنا دینا آپ کے قلم اور آپ کی زبان کا ادنیٰ کمال ہے۔ حکمت و دانائی اور جودتِ طبع سے قدرت نے خوب نوازا ہے۔

کاروانِ زندگی ۔ علی میاں صاحب مدظلہ کی خود نوشت حالاتِ زندگی کا حسین مرقع ہے۔ یہ علمی و ادبی کاوشوں کے اظہار و بیان کی روداد ہے جو ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۳ء کے آخر تک کے اہم واقعات، زندگی کی مصروفیات و اسفار، ملک و بیرون ملک پیش آنے والے اہم حوادث و تغیرات اور علمی و ادبی کاوشوں کے ذہن و قلب پر جو اثرات مرتب ہوئے ان کے بیان پر مشتمل ہے۔ ایک درد مند اور حقیقت پسند فرد کی حیثیت سے ان واقعات کا بے لاگ جائزہ لیا گیا ہے اور ان کا علاج کتاب و سنت، اقوام و ملل کی تاریخ اور اسباب و نتائج کے باہمی ربط کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں پندرہ ابواب ہیں۔ جن میں حالات سے زیادہ اپنے خیالات پیش کئے گئے ہیں نیز اس کتاب میں ان اہم تصنیفی و تحقیقی کاموں کا ذکر بھی تفصیل سے کیا گیا ہے جو سنہ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۰ء تک انجام پائے۔

زیر تبصرہ کتاب ایک قیمتی علمی مرقع ہے جسے مجلس نشریات اسلام کراچی نے اپنی روایتی انداز میں خوبصورت جلد اور گیٹ اپ کے ساتھ سفید کاغذ پر عمدہ چھپائی کے ساتھ شائع کیا ہے جو اس ادارہ کا طرۂ امتیاز ہے۔

زیر نظر کتاب کے پڑھنے سے علم کے علاوہ عمل کی توفیق بھی حاصل ہوتی ہے۔ کتاب ہر اعتبار سے عمدہ ہے۔ زبان و بیان کی خوبی نے اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ قارئین سے اس کے مطالعہ کی پرزور سفارش کی جاتی ہے امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے ذہن کی بہت سی گتھیاں کھل جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ علی میاں مدظلہ کو تادیر سلامت رکھے اور اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔ (ا-ا-خ-س)

نام کتاب **بنات اربعہ یعنی چار صاحبزادیاں** تالیف۔ حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ،
سائز ۱۸×۲۳/۸ ۔ کل صفحات :۔ ۴۵۲ ۔ قیمت مجلد ۔/۵۰ روپے۔ ناشر :۔ مکی بک۔ ۵۔ بخشی اسٹریٹ
متصل چوک اردو بازار، لاہور۔ پاکستان۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ ایک جید عالم دین، عظیم محقق، بہترین نثر نگار اور کامیاب مصنف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے طبیعت میں اعتدال عطا فرمایا ہے۔ ان کا سینہ بغض و حسد سے خالی اور شر و فساد سے محفوظ ہے ان کے حال پر اللہ تعالیٰ کا انتہائی فضل مبذول ہے کہ ان کا قلم امت مسلمہ کے بنیادی ارکان اور صحابہ کرام رض کے حالات و کمالات کے اظہار و بیان کے لئے وقف ہو چکا ہے۔ قرآن پاک اور زبان نبوی نے جن صحابہ کرام رض اور صحابیات رض کے فضل و کمال اور ان کی شان و عظمت کی گواہی دی ہے۔ ان کے ذکر خیر کو پھیلانا اور ان کے ناموں پر دشمنوں کی پھینکی ہوئی گرد کو صاف کرنا یہی حقیقی کام اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا نکاح ام المومنین حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا۔ حضرت خدیجہ رض سے آپ کے دو فرزند اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ جو حضرت زینب رض، حضرت رقیہ رض، حضرت ام کلثوم رض اور حضرت فاطمہ رض کے ناموں سے مشہور ہیں۔

اسلام میں جہاں بہت سے فتنے پیدا ہوئے۔ ان میں سب سے بڑا فتنہ رفض و شیعیت کا ہے جس کا مطمح نظر خاندان رسول رض اور اصحاب رسول کی عزت و توقیر سے کھیلنا اور مسلمہ حقیقتوں کی تکذیب کرنا ہے۔ انہی بے ہودہ باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک بیٹی تھی۔ وہ تھیں حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ معاذ اللہ بقیہ تین بیٹیاں سابقہ شوہر کی اولاد تھیں جو تاریخ، روایات اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کے بالکل برخلاف اور غلط ہے۔ شیعہ مذہب کی امہات الکتب اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں

مؤلف نے اس سلسلہ میں بہت محنت کی ہے اور سنی مذہب کی تراسٹھ اور شیعہ مذہب کی انتیس کتب سے اس حقیقت کو ثابت فرمایا ہے۔ مؤلف کے قلم میں سلامتی فکر اور سلامتی تحریر کا کثیر جذبہ موجود ہے۔ حوالہ کے ساتھ عبارت بھی نقل کی ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے پوری پوری تفصیل اور تنقیح سے کام لیا گیا ہے۔ منکرین کے فرسودہ

اور غلط اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے گئے ہیں ۔ جن سے جملہ شبہات کافور ہو جاتے ہیں ۔ کتابت وطباعت عمدہ اور کاغذ سفید استعمال کیا گیا ہے ۔ پختہ رنگین کی جلد نے اس کے ظاہری حسن میں مزید اضافہ کر دیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف ، ناشر اور معاونین کو اجر عظیم اور دارین کی سعادتیں عطا فرمائے اور اس کتاب کو عند اللہ وعند الناس مقبولیت عطا فرمائے یہ کتاب ہر مسلمان کے مطالعہ کے قابل ہے اس کے پڑھنے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل خاندان سے محبت پیدا ہوگی اور دین کی عظمت کا نقش قائم ہوگا ۔

(ا - ا - خ - س)

نام کتاب **آسان ترجمہ قرآن مجید** (سورۃ البقرہ مکمل) مع عربی زبان کے بنیادی قواعد کے (۲۰) سبق اور (۱۲۳۰) جملہ مادہ ہائے افعال ۔ مؤلف :- حافظ نذر احمد ۔ سائز ۱۷×۲۷/۸ ۔ کل صفحات ۲۸۰ ۔ قیمت -/۲۱ روپے ناشر :- مسلم اکادمی ۔ محمد نگر لاہور ۵ ملنے کا پتہ ۔ پاک مسلم اکادمی ۔ الفضل مارکیٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور ۲

قرآن مجید ، اقوام عالم کی اصلاح وہدایت کا بڑا ذریعہ ہے ۔ جس قوم نے اس کی ہدایات پر عمل کیا وہ دنیا میں کامیاب وکامران ہوئی اور جس قوم نے اس سے اعراض کیا وہ ذلت وتباہی کا شکار ہوگئی ۔ قرآن مجید سے پورا لطف اسی حال میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ آدمی عربی زبان میں مہارت رکھتا ہو ، اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر صحیح ترجمہ انسان کو خدا سے رابطہ قائم کرنے اور اصلاح وہدایت حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے ۔

حافظ نذر احمد صاحب ملک وقوم کی نمایاں خدمات کے باوصف مذہبی خدمات میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں ۔ آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں اور قابل قدر خدمات کو دیکھ کر الحاج شیخ محمد یوسف صاحب سیٹھی مرحوم ومغفور نے سفر حج کے دوران مکہ معظمہ میں قرآن مجید کا آسان اردو زبان میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کی ۔ ایسا آسان ترجمہ جو تعلیم قرآن کے مدارس اور اسکولوں میں ناظرہ خواں بچوں کو قرآنی علوم سے آگاہی کا سبب بنے ۔

چنانچہ حافظ صاحب نے پارہ اول کا آسان اردو میں ترجمہ کر کے تمام مسالک کے علماء کی مجلس پیش کیا ۔ مختلف علماء کی مجلس نے اس ترجمہ کے ایک ایک لفظ پر غور کیا اور اسے بہت پسند کیا ۔ چنانچہ پارہ اول کا ترجمہ شعبان ۱۳۹۳ھ (ستمبر ۱۹۷۳ء) میں دس ہزار کی تعداد میں طبع ہوا اور اس نے قبول عام کا شرف حاصل کیا ۔

اس کے بعد مختلف اصحاب کی طرف سے بار بار اس کی تکمیل کی پرزور تحریک ہوئی ۔ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورۃ البقرہ مکمل ہوگیا ۔ اور یہ بھی بڑی سعادت ہے کہ قرآن مجید کے جملہ مادہ ہائے افعال کے چارٹ بھی دیگر سفر حج کے دوران حرم محترم مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر مکمل ہوئے ۔

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے ۔ قرآن مجید کے معنی اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے عربی زبان کی گرامر (صرف ونحو) کا جاننا ضروری ہے اس ترجمہ کے ساتھ چند ابتدائی ضروری قواعد کو بیان کیا گیا ہے ۔ جن کے جانے بغیر صحیح ترجمہ اور صحیح مفہوم سمجھنا ممکن نہیں ۔ ابتداء میں عربی قواعد کے بیس سبق دیئے گئے ہیں ان میں نحو کے چند اسباق کے علاوہ تمام سبق علم الصرف سے متعلق ہیں مقصد یہ ہے کہ سورۃ البقرہ اور بقیہ قرآن مجید کے افعال کے مادے پیش کئے گئے ہیں ان اسباق کی مدد سے مطالعہ کرنے والے حضرات ان مادوں سے دوسرے تمام فعل تھوڑی سی مشق کے بعد آسانی کے ساتھ خود بھی بنا سکیں گے ۔

اس کتاب میں مختلف گوشوارے بھی ہیں جن میں سے پہلا گوشوارہ سورۃ البقرہ کے مجرد مادہ ہائے افعال کا ہے ۔ دوسرے

گوشوارہ میں سورۃ البقرہ میں آنے والے ثلاثی مزید فیہ کے افعال ہیں اور تیسرا گوشوارہ مکمل قرآن مجید کے افعال پر مشتمل ہے یہ چارٹ دو رنگوں میں ہے۔ سُرخ رنگ میں سورۃ البقرہ کے مادہ ہائے افعال ہیں۔ سیاہ روشنائی میں باقی قرآن مجید میں آنے والے مادہ ہائے افعال ہیں یہ سب گوشوارے ترجمہ کے آخر میں یکجا الگ درج ہیں۔

طالب علم یا عربی کا شوق رکھنے والے افراد ان گوشواروں کی مدد سے عربی زبان پر کافی عبور حاصل کر سکتے ہیں یہ ترجمہ بہت آسان، مفید اور قابل قدر ہے۔ عربی مدارس میں اس ترجمہ کو نصاب میں شامل کر لیا جائے تو اس سے علوم قرآنی عام کرنے اور طلبہ کو قرآن مجید اور عربی زبان سے مناسبت قائم کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔

کتابت و طباعت عمدہ، کاغذ بہترین، پختہ جلد کے ساتھ یہ بہترین تحفہ ہے۔ ہر مسلمان گھر میں ہونا ضروری ہے تاکہ مسلمان قرآن پاک کو سمجھنے میں اس ترجمہ سے مدد لیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ حافظ اسی طرز پر پورے مجید کا ترجمہ تیار کر کے شائع کرائیں گے تاکہ مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالیٰ مترجم، ناشر اور معاونین کو دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے اور ترجمہ کو مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ (ا-ا-خ-س)

نام کتاب۔ "چند تصویریں سیرت کے البم سے" مؤلف۔ خرم مراد۔ سائز:- ۲۳ × ۱۸ / ۸

کل صفحات:- ۵۲۔ قیمت:- ۷/- روپے۔ ناشر:- ادارہ مطبوعات طلبہ۔ ۱-الف، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

خدائے ذوالجلال نے اپنے خاص حبیب افضل الرُسل کو مبعوث فرما کر ہماری ہدایت کا سامان بنایا۔ آپ کی ذات اقدس دنیا کے لئے نمونہ بنا کر بھیجی گئی تھی۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ ایمان کی پختگی کا باعث اور یقین کامل کا ذریعہ ہے۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے واقعات انسانی ترقی اور کامیابی کے ضامن ہیں۔

جناب خرم مراد سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس میں عمل کا درس اور محبت و عشق نبوی کی دعوت دی گئی ہے۔ کاغذ، کتابت، طباعت بہت عمدہ ہے لیکن جس قدر اہتمام کتاب کو عمدہ چھاپنے کا کیا گیا ہے۔ اس سے دسواں حصہ بھی تصحیح پر صرف کیا جاتا تو کتاب کا حسن ماند نہ پڑتا۔ کتاب میں قرآنی آیات کے الفاظ ہی غلط ہیں جیسا کہ صفحہ ۱۷ سطر ۱۳، صفحہ ۱۹ سطر ۱۶، صفحہ ۲۴ سطر ۱۲ و صفحہ ۴۴ سطر ۱۳ پر اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

دوسری خامی یہ ہے کہ اس کا نام اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔ "چند تصویریں سیرت کے البم سے"۔ اسلام میں تصویر کشی اور تصویر سازی ممنوع و حرام ہے۔ ایسا نام ایسی مقدس اور پاکیزہ ہستی کی طرف منسوب کرنا کسی طرح بھی جائز اور مستحسن نہیں ہے۔ بلکہ اس کا نام "اسوۂ حسنہ کی چند مثالیں" یا صرف "اسوۂ حسنہ" ہوتا تو مناسب تھا۔ امید ہے کہ آئندہ ان فروگزاشتوں سے کتاب کو پاک کر کے شائع کیا جائے گا۔ (ا-ا-خ-س)

۶۱

مطبوعاتِ کتب خانہ مظہری سنہ ۱۹۸۷ء

کتاب	مصنف	قیمت
معارف مثنوی	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ	۶۰/-
معارف شمس تبریزؒ	"	۳۹/-
مجالس ابرار حصہ اول	"	۲۷/-
" حصہ دوم	"	۲۲/-
دنیا کی حقیقت	"	۲۲/-
روح کی بیماریاں اور ان کا علاج	"	۲۷/-
مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں	"	۱۸/-
دستور تزکیۂ نفس	"	۳/-
صدائے غیب	"	۱۰/-
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں	"	۵/-
کشکول معرفت	"	۶۰/-
شوق وطن	حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ	۷/۵۰
تحفۃ الشیوخ	"	۴/۵۰
تسہیل قصد السبیل	"	۵/۲۵
مواعظ ثلاثہ	"	۲۷/-
داڑھی کا وجوب	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ	۱۲/-
فتنۂ مودودیت	"	۱۲/-
اسوۂ رسول اکرم قسم اول	حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہ	۵۰/-
قسم دوم	"	۳۹/-
منکرات محرم	حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم	۷/۵۰
معرفت الٰہیہ کامل جدید	حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ	۳۵/-
فتاویٰ محمودیہ	مفتی اعظم ہند صدر مفتی دارالعلوم دیوبند جلد اول ۶۰/- جلد دوم ۶۰/- جلد سوم	۵۰/-
زلزلہ اور زلزلہ ۱۲/-	موسیقی اور مسلمان	۱۲/-
ملفوظات حضرت شاہ عبدالغنی خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ		۱۰/-
تبلیغی نصاب	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ	۴۸/-

کتاب	مصنف	قیمت
فضائل حج	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ	۱۸/-
دعوت اسلام	حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی	۳/-
ارشاد العابد	حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ	۷/۵۰
بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا	"	۴/۵۰
فتنۂ انکار حدیث	"	۷/۵۰
سیرت ابوہریرہؓ	حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری	۵/-
سیرت حضرت بلالؓ	"	۵/-
سیرت حضرت ابوذر غفاریؓ	"	۵/-
فتوحات اسلام (منظوم)	جناب محمد صدیق صاحب	۱۸/-
اخلاق سلف	حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب	۲۷/-
عرفان محبت	"	۲۱/-
مسنون دعائیں	حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم	۵/۰
حکیم الامت اکابرین معاصرین کی نظر میں	جناب سید محمود حسن صاحب	۱۵/-
سینما بینی اور اس کے مہلک اثرات	جناب حسن سعید صاحب	۴/۵۰
موضوعات کبیر (عربی)	علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ	۲۴/-
نصیحتیں ابن عربی	علامہ محی الدین ابن عربی	۱/-
سیرت پاک (بچوں کے لئے)	مولانا عمار احمد صاحب	۱۰/-
مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین	پاک و ہند کے ممتاز علماء کرام کی تحریریں	۳۹/-
مذاکرات دکن	مولانا حکیم محمد اختر صاحب	۳/-
کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے		۱/۰
احکام میت	حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب	۳۳/-
التشرف فی احادیث التصوف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی	۴۲/-
التکشف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱۰۰/-
روضۃ الصالحین	مولانا محفوظ الرحمن صاحب سنبھلی اول ۲۱/- دوم	۲۱/-
صحبت اہل اللہ اور اس کے فوائد		۶/-
اصلاحی نصاب	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۶۰/-